

دوسری جنگِ عظیم کے  
(۱۲) ہولناک واقعات  
(۸۶)

قیسی رامپوری



فایو سنس

لاہور، راولپنڈی، ملتان، پشاور، حیدرآباد، کراچی



## ترتیب

۱	ہمبرگ کی تباہی	۵
۲	تارمندی کے غوفی سائل	۱۱
۳	لیک اہم ہوائی حملہ	۲۰
۴	دور کیمبرین	۲۳
۵	ایک جنگی چڑیہ دان	۳۰
۶	انہیں شکست نہیں دی جاسکی	۳۴
۷	جاپان کا محاذ	۴۱
۸	بحیرہ بسارک	۴۹
۹	آئو جیما کے ہولناک معرکے	۵۳
۱۰	شمالی افریقہ کا محاذ	۵۷
۱۱	ابن زریو سائل	۶۳
۱۲	علاقہ بتان	۷۲
۱۳	جنگ یاخود کشی	۸۲
۱۴	یورپ کی پگڑی پوتی حالت	۸۹
۱۵	موت کا پل	۹۷

پہلی بار	۱۹۷۱
تعداد	دو ہزار
قیمت	۳۶۷۵

مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ - لاہور • باہتمام عبدالحمید خان پرنٹر و پبلشر

## ہیملبرگ کی تباہی

- ۱۶ — دنیا کی سب سے بڑی جنگ — ۱۰۲  
 ۱۷ — دوسری جنگ کے ہوشربا واقعات — ۱۱۱  
 ۱۸ — میگ نیوز کا طلسمی پل — ۱۱۷  
 ۱۹ — عام حملے کی تیاری — ۱۲۱  
 ۲۰ — برلن کی طرف — ۱۲۸  
 ۲۱ — سپر اندازی اور برلن کا سقوط — ۱۳۸  
 ۲۲ — برلن کی فتح کے بعد — ۱۴۳  
 ۲۳ — برلن پر آخری فائرنگ — ۱۵۱  
 ۲۴ — ہیرو مشیبا — ۱۵۲

دوسری جنگ عظیم ستمبر ۱۹۳۹ء میں شروع ہوئی اور چھ سال تک نہایت شد و مد سے جاری رہی۔ اس چھ سال کی آتشیں مدت میں جنگ کے مصارف کھربوں روپے سے بھی زیادہ ہوئے۔ لاکھوں کروڑوں انسانوں کی جانیں ضائع ہوئیں اور صنعت و حرفت کے کتنے ہی ادارے منقرض ہستی سے ناپید ہو گئے۔ ان کی جگہ پورا یورپ بالخصوص جرمنی ایک اسلحہ ساز فیکٹری بن گیا اور جرمنی نے توجہ دینے والی اسلحہ سازی میں کمال ہی کر دیا تھا۔ اس کا طریقہ جنگ بھی جدید ترین تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے انوکھے ہتھیاروں اور نئے نئے طریقہ جنگ سے پولینڈ، ہیملبرگ، فرانس، فن لینڈ، ناروے، اور سویڈن جیسی جمہانی سلطنتوں کو چند روز ہی میں تیس تیس کر کے رکھ دیا۔

دوسری جنگ عظیم کے کئی عافوں پر اس قدر ہولناک لڑائیاں ہوئیں کہ ان کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔ ان میں انسان کی بے دردی، تشقاوت اور بربریت کے ایسے لرزہ خیز مناظر و واقعات ظہور میں آئے کہ آج بھی ان کے تخیل سے رو گئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

میں شریک ہو چکا تھا۔ اس کے پاس بھی اچھے ہوائی جہاز تھے۔ ادھر اس عرصہ میں برطانیہ نے بھی اپنی فضائیہ کو کافی ترقی دے لی تھی۔ پچانوچھ امریکی اور برطانوی جنگی جہازوں نے اب بڑی تیزی سے جرمنی پر ہوائی حملے شروع کر دیے اور چند ہی روز میں فضائی جنگ کا نقشہ بدل گیا۔

ان مغابوں میں جرمنی کے بہت سے ہوائی جہاز تباہ ہو گئے۔ گورنگ کی کڑی کرکری ہونے لگی اور پھر تو اتحادیوں کے ہوائی جہازوں نے ہلکے چا دیا۔ فضائی برتری حاصل ہوتے ہی امریکی اور برطانوی ہوائی جہاز جرمنی کے صنعتی ٹھکانوں پر پے در پے حملے کرنے لگے۔ جرمنی کا مشہور علاقہ ایسبرگ جو جنگی مشینز کا مرکز تھا اور جس کی اتنی حفاظت کی جاتی تھی کہ اس کے آسمان پر پرندہ پرندہ مار سکتا تھا۔ وہ بھی آخر کار برطانوی اور امریکی فضائیہ سے بچ نہ سکا۔

برطانوی فضائیہ تو جرمنی پر بخار کھائے بیٹھی تھی۔ کیونکہ اس نے لندن کے بارونق علاقے، فلاسوان سی، ویلز، پورٹس ماؤتھ اور مانچیسٹر کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اور جس میں لاتعداد معصوم شہری ہلاک ہوئے تھے۔ لہذا برطانیہ نے دل کھول کر بدلے لیے۔ ۱۹۳۹ء سے اوائل ۱۹۴۲ء تک کا دورہ بتلا گزر چکا تھا، جس میں برطانیہ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا تھا اور اب اس کے ہوائی حملوں کا وقت آ گیا تھا۔ آخر ایک روز تین تین سو کی دو ٹکرانوں میں اس کے لٹکا ستر ہوائی جہازوں نے سیبرگ پر پروانگی۔ پہلے تو ان جہازوں نے جرمنی کے

مجموع ہوتا ہے کہ اس وقت انسان انسان نہ رہا تھا بلکہ وحشی اور دوزخ بن گیا تھا، سفید تہذیب والا انسانی دہندہ۔ لیکن یہ لڑائیاں غیر معمولی شہامت، بہادری، ہوازدی اور حیرت انگیز جنگی کارناموں سے بھی بھری ہوئی تھیں۔

جرمنی کے پاس جدید ترین ہوائی جہاز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۲ء تک پورے یورپ کو دھن کر رکھ دیا۔ اس کے برعکس اتحادیوں کے پاس پرانے اور سست رفتار ہوائی جہاز تھے جو جرمنی کے آتش بار ہوائی جہازوں کی طیارے آنا فانا تباہ ہو جاتے اور جرمنی کے وزیر جنگ کو شیخی مارنے کا موقع مل جاتا کہ ہمارے لفافہ (جرمن فضائیہ کا نام جس کے معنی بھلی کے ہیں) نے پوری دنیا کو فوج کر لیا ہے، ہم دنیا کی اعلیٰ ترین نسل ہیں۔

جرمنی کی فضائی قوت کا یورپ پر اس قدر عب چھا چکا تھا کہ اس کے ہوائی جہاز بلاروک ٹوک رات دن پولینڈ، بلجیم، ہالینڈ، فرانس اور انگلینڈ پر آگ برساتے رہتے اور کسی ملک کی فضائیہ ان کے مقابل آنے کی جرأت نہ کر سکتی۔ انگلینڈ کے ہوائی جہاز مقابلہ پر آتے تو ان کے ٹکرے اڑا دیے جاتے۔ جرمنی کے ہوائی جہازوں نے لندن کے کثیر حصہ کو کھنڈر کر دیا تھا۔ ان کے حملوں میں لندن کے لاتعداد شہری ہلاک ہوئے، ہزاروں مکانات اور کارخانے تباہ و برباد ہو گئے۔ غرض جولائی ۱۹۴۳ء تک ایک اہتری کا عالم رہا۔ اب امریکی بھی جنگ

افراد کی لاشیں لگی کوچوں میں سرسری تھیں جنہیں کوئی اٹھانے والا باقی نہ رہا تھا۔

اندازہ کیا جاتا ہے کہ ہیمبرگ کے تین بڑے حملوں میں برطانوی اور امریکی ہوائی جہازوں نے بارہ سو سے زائد بڑی بڑی مائنیں پھینکی تھیں اور تیس لاکھ کے قریب پھوٹے بڑے بم برسائے تھے۔ آگ لگ جانے کی وجہ سے شہر کا بیشتر علاقہ پھٹی کی طرح دکھنے لگا تھا۔ طیش کی شدت سے سانس لینا مشکل ہو گیا تھا، مگر ابھی ہیمبرگ تمام تر تباہ نہیں ہوا تھا۔ اس کا وسطی علاقہ بے شک ختم ہو گیا تھا لیکن مضافاتی علاقے جنوں باقی تھے۔ لہذا تباہ حال لوگ جوق در جوق گرتے پڑتے مضافات کی جانب بھاگنے لگے کیونکہ شہر میں آگ کی شدید طیش، لائقہ اور آتش گیر مادہ اور بموں کے پھٹنے سے اس قدر مدت بڑھ گئی تھی کہ لوگوں کے دم گھٹنے لگے تھے۔ اکثر لوگوں کے کپڑوں اور جموں تک میں آگ لگ گئی تھی اور وہ گھبرا کر آگ بھانے کی خاطر نروں میں کود پڑے تھے اور ڈوب کر مر گئے تھے۔

ابھی چند ماہ پہلے جب جرمنی کے ہوائی جہاز لندن کو گھنڈا کر رہے تھے تو لندن والے بموں اور مکانات کے طبع سے بھی ہلاک ہوئے تھے۔ اور کڑا لکے کی سردی اور مسلسل بارش نے بھی ہزاروں مردوں، عورتوں بچوں اور بوڑھوں کی جان لے لی تھی مگر اب ہوائی جنگ کا نقشہ بدل چکا تھا۔ اب اتحادیوں کے شہروں کی بجائے جرمنی کی بستیوں اور علاقوں

راڈر نظام کو معطل کیا۔ اس کے بعد شدت سے پھٹنے والے بے شمار بم ہیمبرگ پر برسائے شروع کر دیے۔ اس غضبناک ہوائی حملے جرمنوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ مگر یہ تو ابھی ابتدا ہی تھی جب ہوائی حملہ ختم ہوا تو ہیمبرگ میں پندرہ سو سے زیادہ آدمی ہلاک ہو چکے تھے اور شہر کے بیشتر حصہ میں آگ لگ چکی تھی۔ دوسری جانب سپلائی اور مواصلات کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔

دوسرے روز سہ پہر کو جب کراچی کی بیماری سے لگی ہوئی آگ پر قابو نہ پایا جاسکا تھا، پھر سائرٹن بجنے لگے اور ایک سو اسی فلائنگ فورٹس قسم کے ہوائی جہاز گھنے بادلوں کو چیرتے ہوئے نمودار ہو گئے۔ انھوں نے ہیمبرگ کی بند گاہ کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ مگر ہیمبرگ کا ختم ہونا آسان نہ تھا۔ کیونکہ اس شہر کی حفاظت کا بڑا سامان کیا گیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس شہر میں تین ہزار کارخانے تھے جن میں سے زیادہ تر سامان جنگ ہی تیار کرتے تھے جو جرمنی کے محاذوں پر بھیجا جاتا تھا۔ ان کارخانوں کی بھیتیں اور گودام وغیرہ زمین دوز بھی تھے اور کانکریٹ کے بنے ہوئے بھی۔ جن پر بمباری کا اثر ہونے کا بہت کم اندیشہ تھا۔ جرمنی کے انڈر کم اسی خوش فہمی میں مبتلا تھے۔ ہیمبرگ میں فائر بریگیڈ کا بھی بہت اچھا انتظام تھا جس کا عملہ تین ہزار چار سو افراد پر مشتمل تھا۔ ان کے پاس دو سو انتہائی اعلیٰ درجہ کے ٹرک بھی تھے لیکن اس جادہ و شتم اور فوجی استحکام کو برطانوی فضائیہ نے صرف دس روز کے اندر تباہ کر کے رکھ دیا۔ اسی ہزار سے زیادہ

میں اتحادیوں کی فضا نیلے تباہی چار کھی تھی جن میں ہیمبرگ بھی شامل تھا۔ مگر ابھی ہیمبرگ میں جان باقی تھی لہذا اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کے لیے تین سو لاکھ ستر ہزاروں نے پھر ہیمبرگ اور اس کی مضافاتی بستیوں پر حملہ کیا۔ برطانیہ کا یہ آخری حملہ تھا کیونکہ اس کے بعد ہیمبرگ اس قدر تباہ ہو گیا کہ جنگ کے خاتمہ تک پھر سنبھل نہ سکا۔

برطانیہ نے ہیمبرگ میں کھڑی جنگ میں نچا دکھا دیا تو اس کے ہوائی جہازوں نے ڈریسڈن کا بھی ہی حشر کیا۔ برطانیہ کے ان حملوں میں ایک لاکھ دس ہزار نفوس مارے گئے۔ مگر یہ اس کی ابتدا تھی۔ اس کے بعد برطانوی اور امریکی بحری بیڑا برلن کی تباہی کے لیے روانہ ہو گیا۔ حالانکہ اس کی تسخیر ابھی بہت دور تھی۔



**U.S. Army troops waded ashore on Omaha Beach on the morning of 6 June 1944, (planned for the morning of 5 June, but delayed one day due to bad weather).**

## نارمنڈی کے خونیں ساحل

نارمنڈی کے ساحلوں پر فوجیں اتارنا اتحادیوں کا عظیم ترین کارنامہ ہے کیونکہ ان ساحلوں کے چتے چتے پر جرمن افواج کی مضبوط قلعہ بندی تھی پھر بھی جنرل آئزن ہاور نے جن کے سپر دیو پ کی اعلیٰ کمان تھی ایک رات کی تاریکی میں امریکی و برطانوی سپر ٹروپ نارمنڈی کے خطرناک ساحلوں پر اتار دیے۔ ایک سو ایک ڈویژن کے یہ سپر ٹروپ جرمن ڈویژن نمبر سات سو نو کے باطل قریب کچھ اس طرح اچانک اترے کہ جرمن میڈ کوارڈز صرف جبران رہ گیا بلکہ سخت بوکھلا بھی اٹھا پھر برطانوی اور امریکی سپر ٹروپ نے نارمنڈی کے پانچوں مقبوضہ ساحلوں پر ایسی تباہی مچائی کہ جرمن افواج کے سینکڑوں جوان کھیت رہ گئے تاہم جرمن فوج نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

صبح ہوتے ہوتے اتحادیوں کی فضا نیلے حملہ کا آغاز کر دیا مگر موسم نامساعد ہونے کے باعث یہ حملہ زیادہ موثر ثابت نہ ہو سکا۔ بہت کم بم صبح ٹھکانے پر گر سکے، بیشتر فائٹ گئے یا ٹھکانوں سے ہٹ کر گئے مگر یہ بات بھی اتحادیوں کے حق میں ایک طرح سے مفید ثابت ہوئی کیونکہ

جن جن مقامات پر یہ ہم گئے وہاں بارودی سرنگیں چھپی ہوئی تھیں۔  
بعضیں جرمن افواج نے ہر طرف بکھرا رکھا تھا۔ ان بموں سے بہت سی  
سرنگیں پھٹ گئیں۔ اس طرح گویا اتحادیوں کے لیے راستہ صاف ہو گیا  
تھا۔ مگر ابھی بہت سی رکاوٹیں باقی تھیں۔

بموں کے نشانے خطا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ تقریباً پورے ساحل عمان  
پر کھرچھاٹی ہوئی تھی جس سے ایک فائدہ بھی ہوا کہ اتحادیوں کا بحری  
بیڑا ہونا رمنڈی پریٹنڈنگ کے لیے چلا آ رہا تھا اسے کمر کی چادر سے  
چھپایا۔

جرمن فوجوں نے تمام ساحلی علاقوں پر اپنا مضبوط دفاع قائم کر  
رکھا تھا۔ اس دفاعی لائن کو توڑنا بڑا مشکل کام تھا کیونکہ ان تک پہنچنے  
کے لیے گرگڑا ہوا کافی تنگ تھیں۔ اس موقع پر اتحادیوں کی فوجیں اگر  
جرمن کے جدید اسلحہ کے مقابلہ میں شکست کھا جاتیں تو انھیں سمندر کی تہ  
کے سوا کہیں پناہ نہ مل سکتی۔ لیکن نارمنڈی کے سواحل کو جرمن افواج  
سے خالی کرنا بھی نہایت ضروری تھا خواہ اتحادیوں کو اس کی کتنی ہی  
قیمت ادا کرنا پڑتی۔ آخر اتحادیوں کے چوتھے ڈویژن نے شدت سے  
حملہ شروع کر دیا۔

اس پہلے حملہ کی پہلی صف میں ایک نامور باپ کا نامور بیٹا بریگیڈیئر  
جنرل فیلو ڈورنڈو ویٹ جونیر (صدر روز ویٹ کا لڑکا) بھی شامل تھا۔  
اسٹنٹ ڈویژن کمانڈر کی حیثیت سے جنرل روز ویٹ جونیر کو ایک

رہایت حاصل تھی اور وہ اس رعایت سے فائدہ اٹھانے کا پورا مستحق  
بھی تھا کہ وہ کسی محفوظ گاڑی میں سوار ہو کر حملہ میں شریک ہو مگر اس نے  
ایسا نہیں کیا بلکہ ایک معمولی سپاہی کی طرح حملہ آور فوج کی اگلی صف  
میں آکھڑا ہوا۔ خطرات مول لیے بغیر جرات و شجاعت کے جوہر نہیں  
کھلتے۔ چنانچہ بہادر جونیر روز ویٹ اس حملہ میں کام آ گیا۔ جنگ نہ معلوم  
ایسے ایسے کتنے سپوتوں کو خاک و خون میں ملا دی تھی ہے۔ غرض اب جرمن کی  
توپیں جھنگڑ رہی تھیں، ادھر اتحادیوں کی توپیں آگ برساتی ہیں مصروف  
تھیں۔ نارمنڈی کے نو فی ساحلوں پر سولے دھوئیں اور گرد و غبار کے  
کچھ نظر نہ آتا تھا۔ لڑنے والی اور لڑتی ہوئی مرنے والی فوجوں کا کوئی اندازہ  
نہ لگا سکتا تھا۔ سمندر کی ضدی موجوں کی طرح فوجیں ایک دوسرے پر ٹوٹی  
پڑ رہی تھیں۔ امریکی فوجیں لینڈنگ کے لیے جان لڑا رہی تھیں اور جرمنی  
کی دفاعی افواج ان کا صفایا کر رہی تھیں کہ اچانک پیروں تلے بارودی سرنگیں  
پھٹنے اور مسروں پر گولے برسنے سے امریکی فوجوں کے پرچھے اڑ گئے۔ نارمنڈی  
کے ریتیلے ساحل پر ہر طرف انسانی جسموں کے ٹکڑے پھیل گئے تھے۔ آخر  
جو تھا اور جو میسواں اسکا ڈن جان کی بازی لگا کر ایک ساحلی علاقہ کو  
فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ریتلا ساحل انسانی خون سے لالہ زار ہو چکا  
تھا۔ اس حملہ کے بعد اتحادیوں نے اپنا دباؤ کم نہ ہونے دیا۔ جانا ساز سپاہی  
موج در موج بڑھتے رہے۔ کچھ توپوں اور مشین گنوں کا لقمہ بن گئے، جو  
زندہ بچے ان کے قدم پیچھے کے بجائے آگے ہی پڑتے رہے۔



یہ کیفیت جرمنی کی دفاعی فوجوں کی بھی تھی۔ کئی گھنٹے تک یہ طوفانی جنگ جاری رہی جس میں کشتوں کے پشے لگ گئے۔ اتحادیوں نے جرمن دفاع پر تین طرف سے حملہ کیا تھا یعنی فضائی، بحری اور برسی لیکن یہ لیٹار جرمن دفاع کو نہ توڑ سکی۔ جرمن برسی اور فضائی حملہ کار بڑی پائری سے مقابلہ کر رہے تھے۔ مگر اتحادیوں کے بحری بیڑے نے انھیں یا وہ پریشا کر دیا۔ حالانکہ وہ ساحل کے قریب والی کئی کشتیوں کو تباہ کر چکے تھے پھر بھی بحری حملہ ان پر برابر دو ڈال رہا تھا۔ یہ سلسلہ کئی گھنٹے تک جاری رہا بار بار ان کے ہوائی حملوں سے امریکی فوجوں کے پیراکھڑ گئے مگر برٹش آرمی کی بروقت کمک نے انھیں بچا لیا۔ اب جرمنی سے اس کے ساحلی مورچہ کو خالی کرانے کی یہی صورت تھی کہ اس کی ٹامی گنوں، مشین گنوں اور توپوں کو کسی طرح خاموش کر دیا جاتا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے برطانوی فوجوں نے فضائی حملوں میں شدت پیدا کر دی۔ جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور گھسان کی جنگ کے بعد جرمنوں نے مورچہ خالی کر دیا۔ مگر ابھی نارمنڈی کے ریتیلے اور دلدلی ساحلوں پر جرمنی کی کئی مضبوط دفاعی لائنیں باقی تھیں اور شدید بھڑپوں کے باوجود دونوں طرف کی فوجیں ٹھکنے کا نام نہ لے رہی تھیں۔ لاش پر لاش گر رہی تھی۔ مگر سپاہیوں کے حوصلے بدستور بلند تھے۔ موت سپاہی کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی، باغضوص وہ سپاہی جو کسی اچھے مقصد کے لیے لڑ رہا ہو۔ بہر حال اس حملہ میں اتحادیوں کے دوسو آدمی کام آئے اور

بے شمار زخمی ہوئے جن کے خون سے نارمنڈی کے ساحل سرخ ہو گئے۔ تاہم ابھی اتحادیوں کے سامنے نارمنڈی کے عاصی پراواہا جیسے خطرناک ساحل پر فوجیں اتارنے کا جان لیوا مرحلہ باقی تھا۔ جس کے متعلق اتحادیوں کے جاسوسی حکمہ کو مطلق معلوم نہ تھا کہ وہاں جرمنی کی فوج کی کتنی تعداد ہے اور اس پر نظر مورچہ پر دشمن کا دفاع کتنا مضبوط ہے۔ ایسے حالات میں اوما پر فوج اتارنا موت کو دعوت دینا تھا۔ لہذا موت اپنا سراج وصال کر کے رہی۔ ہوا یہ کہ کشتیاں جب جی آئی (امریکن سپاہی) اور ٹامیوں (انگریز سپاہی) کو اوما پر اتارنے کے لیے آگے بڑھیں تو جرمنوں نے انھیں توپوں پر دھرا لیا۔ نتیجہ نکلا کہ چند ہی منٹ میں اتحادیوں کی دس بارہ کشتیوں کے ٹکڑے اڑ گئے۔ اس طرح کئی سو امریکی و برطانوی فوجی لڑنے کی حسرت دل میں لیے ہوئے غرق ہو گئے، بہت سے تاریکی کی وجہ سے دلدل میں پھنس کر مر گئے اور سینکڑوں جرمنوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اتنی شدید تباہی کے باوجود اتحادیوں کے سپاہیوں سے لدی ہوئی بہت سی کشتیاں گر تھیں پڑتی برابر آگے بڑھتی رہیں حالانکہ کشتیوں میں سے پانی میں کودتے ہوئے سپاہی جرمن گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔ اس کے باوجود یہ سلسلہ جاری رہا اور سپاہی سینے سینے پانی کو عبور کرتے رہے۔ جرمن سپاہیوں کی گولیاں کسی کا بھیجا پاش پاش کر دیتیں اور کسی کا سینہ چھلنی کر دیتیں۔ ساحل کا پانی ان کے خون سے سرخ ہو جاتا اور وہ اپنی بندوبست استعمال کیے بغیر ہی سمندر کی تہ میں جا بیٹھے۔ کوئی اوٹ یا طبی

سامنے دھڑکی اتحادیوں کے سپاہی جس کی پناہ لے کر دشمن پر گولیاں چلائے  
اس کے علاوہ یہاں اتحادی اپنی فضا نیڈ سے بھی مدد لینے سے قاصر تھے۔  
کیونکہ آسمان پر کھرچھا رہی تھی۔

بہر طرف لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے، اتحادیوں کی انفیٹری نمبر ۱۱  
تمام کی تمام ختم ہو گئی تھی اور ان کے اٹھارہ ٹینکوں میں سے صرف چھ  
ساحل پر پہنچ سکے تھے، وہ بھی گرد و بار اور دھوئیں کی وجہ سے صحیح کام  
کرنے سے قاصر تھے۔ انفیٹری نمبر ۱۱ کے تقریباً تمام افسر پہلے ہی حملہ  
میں مارے جا چکے تھے۔ اسی طرح ساٹھ فیصدی انجینیئر بھی ڈھیر ہو گئے تھے۔  
اب دشمن کی بارودی سرنگوں کو کون صاف کرتا۔ بہر حال اتحادیوں کی جو رست  
اوتا با کے ساحل پر یعنی نارمنڈی کے دوسروں ساحلوں پر بھی تقریباً ان  
کی ایسی ہی مٹی پلید ہوئی۔ نارمنڈی کے ساحلوں کا جرمن کمانڈر اپنی  
فتوحات پر مطمئن اور خوش تھا۔ کیونکہ اس نے حملہ آور امریکنوں اور انگریزوں  
کا صفایا کر کے رکھ دیا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے باقی کمان وان رسیٹ  
اور جنرل رومیل کے پاس خوشی کا پیغام روانہ کیا۔ اتحادیوں کے حملوں  
کو روک دیا گیا ہے، دشمن پر ہم نے ایسی ضرب کاری لگائی ہے کہ اس  
کے ہزاروں فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور اس کی لا تعداد  
سپاہ کو زخمی کر کے رکھ دیا ہے سو اب تک خاک و خون میں لتھڑی ہوئی  
رہسک رہی ہے۔ اسے اٹھانے تک کو شاید کوئی باقی نہیں رہا، اس کی  
بے شمار فوجی گاڑیاں، کشتیاں اور ٹینک جلے ہوئے بڑے ہیں۔ نارمنڈی

کے ساحلوں پر دشمن کی صف ماتم بھی ہوئی ہے۔ ہیل ہیلر، ہیلر کو مبارکباد  
لیکن جرمن کمانڈ نے شادمانی کا یہ پیغام روانہ کر کے میں جلد  
کی تھی کیونکہ اتحادی اب بھی جرمنوں سے نارمنڈی کو خالی کرنے کے  
لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار تھے۔ امریکن کمانڈر کرنل ٹینن  
نے پوری کیفیت سے اپنے میڈیکل اور ڈاکو آگاہ کیا۔ وہاں سے جواب  
آیا کہ مضبوطی درست کر کے پچھلے حملہ کے تجربہ کو سامنے رکھ کر دوسرا شدید  
حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ساحل پر فوج اتارنے کے لیے بہت سی کشتیاں  
اور لاپتہ سمندر کی غصیب ناک موجوں پر ڈگمگاتی ہوئی نمودار ہونے  
لگیں۔ اب اتحادیوں کی لوجسٹک کی عادی ہو چلی تھیں لہذا ساحل کے ریتے  
میدانوں میں بے دریغ پٹاخوں، ہوائی بموں کو اتارنے کی تیاری کر لے لگیں۔  
بڑے افسروں سے لے کر لیفٹیننٹ اور سوائڈنگ کچھ اپنے مردوں  
کی، کچھ جلی اور ٹوٹی پھوٹی گاڑیوں کی اوٹ لے کر ہستہ ہستہ قدم جاتے  
ہوئے سگے بڑھنے لگے۔ انسان کی زندگی پھر سستی ہو گئی۔ آخر اتحادیوں  
کے کچھ سپاہی دشمن کے بائیں بازو تک پہنچے ہیں کیا میاب ہو گئے۔ ان  
میں سے بیشتر کا صفایا ہو گیا پھر بھی ان کے قدم نہیں ڈگمگاتے۔ اب  
اتحادی فوجیوں نے اتنی شدید گولہ باری کی کہ جرمنوں کی دفاعی لائن کمزور  
پڑ گئی۔ انفیٹری برابر مشین گنوں اور ٹوٹی گنوں سے فائر کرتی رہی کچھ  
امریکن دشمن کے عقب میں بھی جا پہنچے تھے۔ ان میں سے بہت سے مارے  
گئے مگر جرمنوں کا یہ مورچہ بھی ختم ہو گیا۔ بہت سے اتحادیوں کے سپاہی

ہنا گیا۔ ایک دوسرے مورچہ پر بھی انگریزی فوج ایک ایسے خطرناک مقام پر اتری جو جرمن افواج کی صاف زمیں تھا۔ یہاں پر بھی بہت سے انگریز مارے گئے مگر ان کے قدم چمے رہے آخر انھوں نے ایک تیز حرکت کر کے اس اہم ساحل علاقہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ غرض نارمنڈی کے ساحل حصہ پر جرمن دفاع تقریباً بے جان ہو گیا۔

شام ہونے تک انگریزی افواج نارمنڈی میں باغی میل نہک داخل ہو چکی تھیں اور ان کا پیش خیمہ کین کے نواح سے زیادہ دور نہ رہا تھا۔ کین آخری اور نہایت اہم مقام تھا اور جرمن دفاع کا سب سے سخت مورچہ تھا۔ اسے بچانے کے لیے جرمن جان پر کھیل جانے کی تیاری کر چکے تھے لیکن جون کے ابتدائی ہفتے میں انگریزی فوج کامیابی سے اس کے قریب اتر گئی اور اس نے مورچے سے بحال لیے۔ رات ہونے تک پچھلے پانچوں ساحلی علاقے فتح ہو چکے تھے جن کے ریلے میدانوں میں انسانوں کا خون جذب ہونے کے بجائے برہا تھا، اس پر زخمیوں کی کراہ آہ و بکا کا ایک لرزہ خیز منظر پیش کر رہی تھی لیکن ابھی دوسرے بہت سے مفتوحہ علاقوں سے جرمن افواج کو نکالنا باقی تھا اور اس کے لیے سخت ہولناک جنگیں لڑنی تھیں۔ اس کے بعد مقدر ساتھ دیتا تو اتحادیوں کے لیے برلن کی راہیں ہموار ہو سکتی تھیں۔

مقتصر یہ ہے کہ باد و باران اور طوفان تو نارمنڈی کے ساحلوں سے خون کے نشانات کو مٹا سکتے ہیں مگر انسان کی شجاعت و بہادری کی یادگاروں کو امتداد زمانہ بھی محو کرنے سے قاصر ہے!

مرتے گرتے اونچائی پر جا چڑھے اور وہاں سے جرمنوں پر آگ برسانے لگے۔ اس طرح متعدد اہم مقامات پر سے مسلسل فائرنگ کے سبب جرمنوں کا دفاع کئی جگہ سے کمزور پڑ گیا۔ بہر صورت ٹھکان کے زن کے بعد اوہا با کا خطرناک اور اہم ساحل بسہ پر تک جرمنوں کے قبضہ سے نکل گیا، جہاں چاروں طرف انسانوں کی ان گنت لاشیں بکھری پڑی تھیں یہ ایک بہت ہی ہولناک منظر تھا۔

تاہم ابھی جرمنوں کے کئی مضبوط مورچے باقی تھے جن کی تسخیر کے لیے انگریزی فوج کا پچاسواں ڈویژن کشتیوں اور لانچوں کے ذریعہ ساحل پر اترنے کے لیے آگے بڑھا۔ انگریز سپاہ تو جرمنوں پر رخار کھائے میٹھی تھی کیونکہ انھوں نے کئی ماہ تک مسلسل لندن پر بم برساکر ہزاروں شہریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جن میں بچے، عورتیں، بوڑھے اور جوان سب ہی شامل تھے۔ جرمنوں نے اس محاذ پر بھی ڈٹ کر انگریزوں کا مقابلہ کیا اور ان کے تقریباً دو سو آدمیوں کا معفیا کرویا مگر انگریزی فوج نے ان کا پچھانہ چھوڑا۔ آخر جان لڑا کر جرمنوں سے یہ مورچہ بھی خالی کر لیا۔ اس میں جرمنوں کے بھی بہت سے سپاہی کام کئے۔ ساحل کی گیل اور سیٹھی ان کے خون سے رنگ گئی اور بہت سا جنگی ساز و سامان تباہ ہو گیا۔ اب انگریزی فوج نے جرمن دفاع کے عقب میں اتر کر تباہی مچا دی جرمن فوج کے بہت سے سپاہیوں نے جان بچانے کے لیے بھاگنے کی کوشش کی مگر انگریزوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ جو زندہ بچے تھے انھیں قیدی

## ایک اہم ہوائی حملہ

جرمنی کا دفاعی نظام کامیاب رہا اور حملہ آوروں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ لیکن اس معمولی نقصان سے اتحادیوں کا ہوائی بیڑا بدول نہیں ہوا۔ اس نے بم برسائے شروع کیے۔ موسم خراب تھا جس کی وجہ سے بم نشانہ پر نہیں گرے۔ زمین پر سے بے شک و صومیں کے بادل اُٹھتے دیکھے گئے۔ شاید یہ دھواں ریلوے لائن اور اس سے متعلقہ علاقوں میں آگ لگ جانے سے اُٹھ رہا تھا۔ کیونکہ زمین پر اونچے اونچے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ چونکہ نیچے سے برابر آگ لگ گئی کی فائرنگ جاری تھی اس لیے ہوائی جہازوں کی فائریشن ترتیبی لائن بار بار ٹوٹ جاتی تھی۔ آخر زمین کی فائرنگ کا ایک گولہ پکتان کے ہوائی جہاز پر آکر لگا جس سے جہاز کے بازو میں ایک بڑا سا سوراخ ہو گیا۔ پھر بھی جہاز تباہ ہونے سے بچ گیا۔

چند ہی منٹ بعد حملہ آور ہوائی جہازوں پر کئی گولے اور بھی آکر لگے جن میں سے چند کے تو ٹکڑے اڑ گئے بعض میں سوراخ ہو گئے۔ آخر حملہ آور اپنے بیڑے کو پلاستی پر سے گزارتے ہوئے آگے نکال لے گئے اور واپس بن غازی لوٹ آئے۔ کیونکہ ان کے کئی ہوا باز زمین کی فائرنگ سے زخمی ہو گئے تھے اور کئی کو سخت نقصان پہنچا تھا لیکن وہ جلد ہی پھر پلاستی جا پہنچے اور پھر مباری شروع کر دی۔ اتحادیوں کا یہ حملہ بھی ناکام رہا اور وہ پھر ہار کر واپس آ گئے۔ تیل صاف کرنے کے کارخانوں کو معمولی سا نقصان پہنچا جن کی مرمت جرمن انجینیئروں نے فوراً کر لی۔

اتحادیوں کا ایک ہوائی بیڑا بن غازی (ایلیبا) میں مقیم تھا، ایک دن اسے حکم ملا کہ پلوسی پر حملہ کیا جائے جہاں جرمنی کا تیل صاف کرنے کا زبردست کارخانہ تھا اور دور دور تک تیل کے گہرے کنویں موجود تھے جن کی حفاظت کا انتظام جرمنی نے بڑے مستحکم انداز میں کیا تھا۔ یہاں ایک ایک گن کے اعلیٰ انکاس کے علاوہ جرمنی کا ہوائی بیڑا بھی تھا۔ پلوسی کے کارخانے رومانیہ کے دار السلطنت بخارست کے شمال میں واقع تھے۔ چونکہ رومانیہ پر جرمنی کا قبضہ ہو چکا تھا اس لیے تیل کے چشموں کی حفاظت کی ذمہ داری بھی جرمنی نے لے لی تھی بہر حال اتحادیوں کے 24-8 کے ایک سو اسی ہوائی جہاز پلوسی پر حملہ کے لیے روانہ ہوئے جن میں 18 (11) ماڈل 4 ہوائی جہاز بھی شامل ہو گئے لیکن ان میں سے دو اڑان لیتے وقت ہی تباہ ہو گئے۔ یہ ہوائی بیڑا بخارست سے گزرتا ہوا آگے نکل گیا۔ جب پلوسی پر پہنچا تو زمین کی فائرنگ سے اس کے تین چار ہوائی جہازوں کے ٹکڑے ہو گئے اور ان کے ہوا باز بھی مارے گئے۔ یہ گویا اس حملہ کی ابتدا تھی جس میں

## درہ کیسرن

بلاشبہ جرمن طوفان جب اٹھا تھا تو اس لئے یورپ اور ایشیا کے بڑے حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ تیونس کے صول، وادیوں اور پہاڑیوں کے اس طرف صیدی بومبارڈنگ کے تمام علاقہ پر جرمنی افواج کا قبضہ تھا اور یہاں انہوں نے ٹینکوں، ہوائی جہازوں اور دوسرے جدید قسم کے فوجی سازوسامان کے ساتھ بڑا مضبوط دفاع قائم کر رکھا تھا جس میں آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی بھی پوری طاقت تھی۔ مگر چند ہی میل کے فاصلہ پر امریکیوں کی دفاعی لائن تھی جس میں ٹینک اور ٹینک شکن توپیں بھی موجود تھیں۔ بیشتر شرمین ٹینک تھے جو یکے بعد دیگرے جرمن لائن پر حملہ کے لیے بڑھ رہے تھے۔ بغرض ایک ایک کر کے پچیس ٹینک حرکت میں آ گئے تھے جن کا تعلق امریکہ کی پہلی بکتر بند ڈویژن سے تھا۔ جرمنوں نے امریکی ٹینکوں کے نمودار ہوتے ہی اپنی ٹینک شکن توپوں کے منہ کھول دیے نتیجہ میں کئی ٹینک تباہ ہو گئے اور ان میں آگ لگ گئی۔ اس سے جرمنوں میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔

آخر شرمین ٹینکوں کو چھپے ہٹنا پڑا۔ جرمن اس کے منظر تھے۔ انہوں

۱۹۴۴ء میں اتحادیوں نے پھر پلاستی کے تیل کے چشموں پر ہوائی حملہ کیا۔ اب ان کے پاس لمبی پرواز والے ہوائی جہاز تھے۔ یہ حملہ اٹلی کے شکاروں پر سے کیا گیا تھا۔ اس میں بڑی غوریز جھڑپیں ہوئیں۔ بڑے ہوائی جہازوں نے بھی سخت مقابلہ کیا۔ ان کے لڑاکا طیارے اتحادیوں کے بمباروں کی صفوں میں گھس گئے اور تباہ ہو کر یا تباہ کر کے چلے جاتے۔ دوسری طرف زمین کی توپوں نے ناک میں دم کر دیا تھا۔ مگر اتحادیوں کے ہوا باز پلاستی کے تیل کے چشموں کی قسمت کا فیصلہ کرنے پر تھے ہوئے تھے یہ چشے جرمنی کے لیے نہایت اہم تھے۔ جرمنی نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں جہاں کہیں تیل کے ذخائر پائے پائے ان پر قبضہ کر لیا تھا۔

غرض کافی عرصہ تک ہوائی جنگ جاری رہی جن میں اتحادیوں کے چھ سو ہوا باز افسر کام آئے مگر وہ پلاستی کی رفا نہی اور تیل کے چشموں کو بالکل تباہ کر کے رہے جو انسانی عزم کی ایک عظیم فتح تھی۔



15th Air Force B-24s leave Ploesti, after one of the long series of attacks against oil targets, flying through flak and over the destruction created by preceding waves of bombers.

فوج کا ہوا تھا۔

اس کے چند ہی روز بعد جرمن جاسوسوں نے یہ اطلاع فراہم کی کہ جنرل آئزن ہاور اپنی منتشر افواج کو جمع کر کے کسی تازہ حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔ چالاک ریڈیل نے آئزن ہاور کی کوششوں کے بار آور ہونے سے قبل پیش قدمی شروع کر دی اور ۱۴ فروری ۱۹۴۵ء کو ایک سو پچاس ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ سے زمین لرزنے لگی جو تین طرف سے درہ فیض میں داخل ہو رہے تھے۔ اس طرح جرمنوں نے درہ فیض سے چھ میل آگے بڑھ کر امریکیوں کی فوج اور ان کے توپ خانوں کو جالیبا اور ان پرتین طرف سے حملہ کر دیا۔

جرمنی کی دسویں پیسر ڈویژن نے درہ کیسرن کو گھیر لیا، جس میں بیس ٹینک بھی شامل تھے اس دو طرفہ حملے اور صحار میں ہزاروں امریکی فوجی اپنی بڑی لاشن سے کٹ گئے اور گرفتاری کے خطرے میں پڑ گئے۔ جرمن فوج نے ایک اہم پہاڑی پر بھی قبضہ کر لیا تھا جہاں امریکہ کے تقریباً پچیس ٹینک موجود تھے ان میں سے پانچ ٹینک تباہ کر دیے گئے۔ جرمنوں کے بھی تین ٹینک ضائع ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد امریکہ کے چالیس ٹینک اور آگئے۔ اب جرمن ٹینکوں کو درپچھے ہٹنا پڑا مگر جرمن ٹینک شکن توپوں نے ان میں سے بھی کئی ٹینک تباہ کر دیے کیونکہ جرمن ٹینک بھاری ہونے کی وجہ سے جلد حرکت نہ کر سکتے تھے۔

جو کہ جرمنی کی فوجوں نے طروق اور الائن میں ٹینکوں کی بہت

نے اپنی ٹینک شکن توپوں کی مار چار سو گز تک بڑھائی اور امریکی ٹینکوں میں ایک تباہی مچا دی۔ جرمنوں کو پچھلے کئی ہفتوں سے ان ٹینکوں کا انتظار تھا لیکن جنرل منٹگری کی وجہ سے کاروائی رکی ہوئی تھی۔ آخر چند روز بعد جرمنی کے مشہور جنرل ریمیل کے فیصلہ کی بنا پر ٹینکوں کی جنگ شروع کر دی گئی۔ حالانکہ رومل جنرل منٹگری کی تازہ آٹھویں ڈویژن کے عقبی حملہ کو روکنے میں سخت دشواری محسوس کر رہا تھا۔ اس کی پالیسی دراصل یہ تھی کہ آگے بڑھ کر امریکہ کی ناتجربہ کار فوج پر حملہ کر دے جو فیض شطط کے علاقہ میں جنرل منٹگری کے زیرِ ناکمان طاقت فوراً ہوتی چلی جاتی تھی۔ اسی بنا پر اس نے تیس جنوری کو تیونس کے درہ فیض پر ٹینکوں سے شدید حملہ کر دیا جہاں فرانسیسی رجمنٹ دفاع پر مامور تھی۔ جرمن افواج نے اس کا صفایا کر دیا تھا۔ جنرل ریڈیل اپنے حریفوں کی تمام کمزوریوں سے واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کسیدری بومند کے اگلے علاقہ میں اتحادیوں کی افواج بڑی تیاری کے ساتھ موجود ہیں چنانچہ ان کی نبض پر ہاتھ رکھنے کے طور پر اس نے چند ٹینک اس طرف روانہ کر دیے تھے۔ ریڈیل کی یہ کاروائی کامیاب رہی۔ امریکی بڑھ کر درہ کے دباؤ تک آگئے جہاں ریڈیل کا دستاں کا خیر مقدم کرنے کو موجود تھا۔ امریکیوں نے اس درہ پر دوشید حملے کیے تاکہ اس پر قبضہ کر لیں۔ لیکن جرمنوں کی آڑیل نے انہیں بھون کر رکھ دیا، امریکیوں کو جنگی ناتجربہ کاری کی بنا پر شدید نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا اور ان کا بھی وہی حشر ہوا جو فرانسیسی

روز امریکہ کی پندرہویں رجمنٹ نے درہ کی دوسری طرف حبیب العلون کے قریب سے جوبانی حملہ کیا لیکن اس میں بھی بہت سے امریکی مارے گئے اور ان کے کئی ٹینک تباہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ شام ہونے سے قبل شیطندہ کے میدان کی طرف انھیں بری طرح پسپا ہونا پڑا۔ اور قبل کاٹروہ تک پہنچتے پہنچتے ان کی پوری رجمنٹ کا صفایا ہو گیا۔

امریکی فوجیں حقیقت میں منتشر تھیں، لہذا دوسو ٹینک ہولے کے باوجود انھیں جرمن توپوں نے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا اگر وہ منتشر ہونے کے بدلے ایک یونٹ بن کر اجتماعی حملہ کرتیں تو ان کا یہ حشر نہ ہوتا۔ بہر حال رات تک درہ فیض کا تمام میدان امریکنوں کے ٹوٹے پھوٹے سازوسامان سے ڈھکا ہوا تھا۔

کئی روز تک یہی حالات رہے یہاں تک کہ سترہ تاریخ کو امریکیوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے ساتھ ایک بڑا حملہ کیا۔ فوجیں پہلے تو خاموشی سے برستی رہیں لیکن جرمن جب صرف چھ سو گز رو گئے تو انہوں نے ان پر ٹینکوں توپوں اور مشین گنوں سے ایسا شدید حملہ کیا کہ میدان جنگ قیامت کا منہ نظر آنے لگا۔ ایک ہی حملہ میں جرمنی کے بیس ٹینک ضائع ہو گئے اور بہت سے سپاہی مارے گئے آخر جرمنوں کے پیر اکھر گئے لیکن وہ جلد ہی سنبھل گئے۔ انھوں نے پلٹ کر ایسا حملہ کیا کہ آتش جنگ پلٹ گیا، شیطندہ امریکیوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ درہ کی طرف بھاگنے لگے۔ رات گئے تک امریکی فوج کے ہاتھ سے

ابھی مشق کی تھی لہذا اس جنگ میں ان کے ٹینک ہر مقام پر امریکی ٹینکوں پر بھاری پڑ رہے تھے۔ جرمن ٹینک بڑی ترکیب سے حملہ کرتے اور اتحادیوں کے ٹینکوں کو تباہ کر دیتے۔ حالانکہ اتحادیوں کے ٹینک دور مار بھی تھے اور ان کا نشانہ بھی اچھا تھا مگر اتحادیوں اور بالخصوص امریکنوں کو ٹینکوں کی لڑائی کی ابھی مشق نہ تھی۔ پھر بھی برطانیہ کے ٹینک جرمن ٹینکوں کا خوب مقابلہ کر رہے تھے اور اکثر غالب بھی آجاتے تھے۔ ایک مقام پر چار امریکی ٹینک کھڑے ہوئے جرمنوں پر گولے برس رہے تھے مگر فوجی اعتبار سے وہ صحیح پوزیشن میں نہ تھے نتیجہ نکلا کہ جرمنی کی ایک ٹینک شکن توپ نے معقول زاویے سے ان چاروں کو اثر دیا ایک تو آگ لگنے سے اس طرح جلنے لگا جیسے لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس طرح جرمن فوجیں تباہی مچاتی ہوئی آگے بڑھتی رہیں جس میں اتحادیوں کے سینکڑوں آدمی مارے گئے۔ ایک اہم چوک پر قبضہ کرنے کے لیے دونوں فوجوں میں شدید جنگ ہوئی جس میں جرمنی کے آٹھ ٹینک اور فوجی ٹرک اور اٹھارہ آدمی کام آئے جس کے برعکس ناچجرہ کاری کی بنا پر امریکہ کے چالیس ٹینک تباہ ہوئے اس کے علاوہ پندرہ کلدار توپیں اور لاتعداد فوجی کام آئے اور اکثر کو قیدی بنالیا گیا۔

دو روز کے وقفے سے خبر تھی کہ جبل السودہ کے قریب جرمن فوجیں اتحادیوں کو مارتی ہوئی آگے نکل گئی ہیں۔ امریکہ کی یقینہ السیف فوج نے شمال کی جانب سے حوکیا مڑشہدید نقصان اٹھا کر پسپا ہوئی۔ دوسرے

کیسرن اور فریڈ بھی نکل چکے تھے۔

اس کے بعد جوڑانی ہوئی اسے ایک طرف کھنا چاہیے کیونکہ امریکہ کے ناخبر کار سپاہیوں میں ایسی ابتری مچ گئی تھی کہ وہ جان بچانے کی خاطر غلط سمت میں بھاگ رہے تھے اور بڑی آسانی سے جرمنی کی گولیوں کا نشانہ بنتے چلے جا رہے تھے۔ جو امریکی سپاہی ہتھیار ڈالنے کے بعد گرفتار ہوئے ان میں سے ہر ایک کی زبان پر یہی سوال تھا کہ ہماری فضائیہ کہاں مر گئی۔ اب جرمن فوج تھا کہ کی چوکی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یہ مقام اگر امریکہ کے ہاتھ سے نکل جاتا تو تھا تو بے بسیا کو مارنے والی ٹرک جرمن افواج کے لیے کھل جاتی جس پر سے گزر کر وہ امریکیوں کے عقب میں پہنچ جاتیں اور تھک چاسکتی تھیں۔ اس خطرے کو روکنے کے لیے برطانیہ کے بکتر بند بریگیڈ کو کمک کے طور پر شمال سے طلب کیا گیا جو ست سو پینتیس میل کا مارچ کرتی ہوئی سو گھنٹوں میں پہنچی۔ دوسرے برطانوی بکتر بند یونٹ سببیا کی طرف سے آ رہے تھے جن کے ساتھ انہیں ٹن والے بافلکس نے چوہل ٹاٹ ٹینک تھے جو آج تک کسی محاذ پر بھی استعمال نہیں کیے گئے تھے۔

اب جو جنگ شروع ہوئی وہ بڑی بھیانک تھی۔ جرمن فوجوں پر پچھلے بارہ گھنٹے سے بم باری ہو رہی تھی مگر وہ پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد آسمان پر ہوائی جہازوں کے انجنوں کی گڑگڑاہٹ ہونے لگی اور اتحادیوں کے ہر ٹاٹ کے ہوائی جہازوں نے گولے

برساتے شروع کر دیے۔ موسم ہوائی حملہ کے لیے موزوں نہ تھا۔ تاہم بم باری سے جرمنوں میں تھوڑا سا انتشار پیدا ہو گیا جس سے فائدہ اٹھا کر امریکیوں نے درہ کیسرن کے اندر دو ہزار سے زیادہ شیل چھو دیے۔ اس بگڑی ہوئی صورت حال کو دیکھنے کے لیے جنرل رومیل خود اس مقام پر آیا اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد اندازہ لگا یا کہ اس کے پاس ٹرانسپورٹ کے وافر ذرائع نہیں ہیں اس کے علاوہ اس کی فوجیں دو طرفہ پہاڑیوں کے درمیان ہیں لہذا اس نے عافیت اسی میں دیکھی کہ بعد یاس پسپائی اختیار کر جائے۔ اس کے بعد سے افریقہ میں مقیم جرمن فوج (افریقن کور) ضعیف ہوتی چلی گئی۔ کیونکہ ان کا سابقہ اب اتحادیوں کی تجربہ کار فوج سے پڑنے لگا تھا۔ جب تک اتحادیوں کے سپاہی صحرائی جنگ کا تجربہ حاصل نہ کر سکے تھے وہ تجربہ کار اور تربیت یافتہ جرمن افواج کے سامنے جم نہ سکے تھے مگر کثیر نقصان اٹھانے کے بعد وکٹ کے ساتھ انھیں تجربہ ہوتا گیا اور وہ لڑنے کے قابل بننے لگے۔



**Battle of  
Sidi BouZid  
14 Feb,  
1943**



## ایک جنگی چوہے دان

رہ گیا یہ تو اتحادیوں کی خوش قسمتی تھی کہ ان کے پاس منٹگری پٹین اور براڈے جیسے جنرل بھی تھے جو چشم زدن میں چھٹی حس کے ذریعہ ایک فوری کارروائی کر گزرتے تھے۔

آئرن ہار کی ان ہی باتوں کی وجہ سے اتحادیوں کو ابتداءً افریقہ میں بڑی دشواریوں اور ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا ثبوت وہ کیمپین کی جنگ ہے اس موقع پر انگریز فوج اگر آٹا فانا ایک طویل فٹ پلے کر کے ملک کو نہ پہنچتی۔ تو امریکی فوج کا بالکل صفایا ہو جاتا۔ اور جرمن چُن چُن کر اسے گولیوں کا نشانہ بنا دیتے۔

جنرل وان رنسٹیٹ کی کمان میں ایک عظیم الشان جوائی حملہ کیا گیا جس میں تیرہ ڈویژن یعنی دو لاکھ سے زیادہ جرمن سپاہی امریکہ کی ایک تنگ سی دفاعی لائن پر ٹوٹ پڑے۔ اتنے چھوٹے علاقہ میں اس قدر جرمن فوج پہلے کبھی جمع نہ ہوئی تھی۔ اس کوچ کے عقب میں ایک ڈویژن نوچ بھرتی جس کا یہ کام تھا کہ امریکی جتنے مقامات خالی کرتے جائیں وہ ان پر قابض ہو کر اپنی پوزیشن مضبوط کئے تاکہ رگد دو لاکھ جرمن سپاہی آگے بڑھتے رہیں۔ یہ کتابے کار ہو گا کہ اتنی بڑی فوج کے ساتھ کس قدر فوجی ساز و سامان ہو گا۔ مثلاً ٹینک، فوجی گاڑیاں، توپیں اور گولہ بارود۔

عجیب بات یہ ہے کہ اکتوبر نومبر ۱۹۴۱ء میں اس عظیم حملہ کی تیاری کے کاغذات اتحادیوں کے جاسوسی حکم کے ہاتھ لگ چکے تھے پھر بھی

۱۹۴۲ء میں ہٹلر نے کہا تھا کہ ہمارے جوائی حملہ سے اتحادیوں کے چھٹے چھوٹ جائیں گے اور ہم انھیں سمندر میں دھکیل دیں گے اس اہم کارروائی کو بروٹسے کار لانے کے لیے وان رنسٹیٹ موزوں ترین آدمی تھا جو نہایت تجربہ کار و دور رس جرمن جنرل تھا۔ اس کے مقابلہ میں جنرل آئرن ہار تھا سابق صدر امریکہ جو دوسری جنگ عظیم میں یورپ میں اتحادی افواج کا سپریم کمانڈر تھا۔ جنرل آئرن ہار جرمن جنرل وان رنسٹیٹ سے مختلف انسان واقع ہوا تھا۔ اس نے غور خواہ جرمن جنرل کے مقابلہ میں بڑی ملائم طبیعت پائی تھی اور وہ فوجی ہونے سے زائد سولین تھا۔ اس کے علاوہ اس کو اس کی خامی کہا جائے یا کچھ اور کہ آئرن ہار باوجود اعلیٰ فوجی تربیت یافتہ ہونے کے اپنے عمل کی رائے پر پہلے کا عادی تھا۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جنگ کے بعض نازک مواقع پر اس نے اپنی ذاتی فوجی صلاحیت اور درہنہ بینی سے فی الفور کام نہیں لیا بلکہ تاخیر سے فیصلہ کرنے کے باعث اکثر ہمت میں وقت کے نقصان کے مطابق کام کرنے سے قاصر

برلن پہنچی تو ہٹلر کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔

غرض اردن میں اس کے اس محاذ پر امریکی جرمینوں کے اچانک جوابی حملوں کی پیش بینی اور پیش بندی کرنے سے قاصر رہ گئے۔ جرمینوں کے مقابلہ میں ان کے جنگی سائنس سامان اور فوج کی ایک پیش نہ گئی۔ بلکہ وہ کافی حد تک منفلوج کر دی گئیں اور انھیں پیچھے دھکیل دیا گیا۔ اتحادیوں کی صفوں میں نہ تو وہ اگلی سی گرما گرمی رہی تھی اور نہ نشاطی کیفیت بلکہ وہ ہراس کے عالم میں سوچنے لگے تھے کہ جرمین فوجوں کا مقابلہ کرنا از بسکہ بہت مشکل ہے۔ اتحادیوں نے اس سے پہلے جرمنی کی قوت کا غلط اندازہ لگایا تھا اور اس محاذ پر اس کا غمناکہ اندازہ انھیں محسوس ہوا۔

جنرل رنٹیٹ کی بسرعت پیش قدمی اور بلر ز کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ وہ امریکیوں کے میل کے ذخائر پر قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن اس اہم محاذ پر ابھی جرمنی کی فتح دور تھی کیونکہ اتحادیوں کی فوجوں نے سسٹما سسٹما کر دیا تھا اور وہ جلد ہی ایک بڑی حملہ آور قوت میں متسل ہو گئی تھیں۔ آخر جنرل بروکس کلا رکن نے اپنی تازہ فوج کے ساتھ جرمنوں پر حملہ شروع کر دیا جس سے جرمینوں کے آگے بڑھنے کی رفتار رک گئی اور جنرل بیتن نے شدید باؤ ڈال کر دشمن کو کافی نقصان پہنچایا۔ آخر وسط جنوری تک جنرل رنٹیٹ کی فوج کو شکست ہو گئی مگر جوابی حملہ کے آثار میں اس نے جو چاہے وہاں اتحادیوں کے لیے تیار کیا تھا اس میں کامیاب رہا۔

اتحادیوں نے پیش بندی کی خاطر خواہ تدابیر اختیار نہیں کی تھیں۔ کاغذات میں اگرچہ جرمینوں کے ابتدائی پلان تھے تاہم اتحادی افسر بڑا فائدہ اٹھا سکتے تھے مگر اس کے بجائے ان کی فوجیں فرانس کو عبور کر کے آگے جا کر رک گئیں اور بلیم کے ایک علاقہ میں اپنا کیمپ قائم کر لیا۔ جرمینوں کے اس کثیر اجتماع کے مقابلے پر شمال و جنوب کی طرف نظر امریکن تھوڑی سی فوجیں تھیں جو زیادہ سے زیادہ پانچ ڈویژن ہوں گی جس کے برعکس جنرل وان رنٹیٹ تیرہ ڈویژن کے ساتھ حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔ اتحادی اس خطرناک حقیقت سے بے خبر تھے۔ بلکہ یقین کی حد تک ان کا خیال تھا کہ اب جرمینوں میں اگلی سی مسرت نہیں رہی۔

آخر ۱۶ دسمبر کو جرمنی کی اس قوی و کشیدہ فوج نے اتحادیوں کے ڈویژن نمبر ایک سو چھ پر حملہ کر دیا اور ایک ہی وار میں اس کے ٹکڑے اڑا دیے۔ فوجی مبصرین حیران تھے کہ جرمنی کی اس عظیم اور تجربہ کار فوج کو روکنے کے لیے اتحادیوں نے اپنے نئے اور نا تجربہ کار سپاہیوں کو کیوں آگے کر دیا۔ غرض اتحادیوں کو دام میں لانا کے لیے جرمینوں نے کئی جوہے وہاں بنائے جن میں اتحادی نا تجربہ کاری کی وجہ سے بچتے چلے گئے اور انھیں سپاہ و اسلحہ کے باب میں شدید نقصانات اٹھانے پڑے۔ جنرل آئزن ہاؤر کا حکمہ جاسوسی بالکل ناکارہ ثابت ہوتا رہا۔ جنرل وان رنٹیٹ نے اپنی زبردست جنگی چالوں سے اتحادیوں کو پریشان کر ڈالا تھا۔ اس محاذ کے باب میں جنرل وان رنٹیٹ کی رپورٹ جب

## انہیں شکست نہیں دی جاسکی

۱۹۴۲ء میں یورپ پر جس بڑے حملے کا آغاز ہوا تھا اسے حماقت سے تعبیر کیا جائے یا دانش مندی سے؟ اس کا صحیح جواب وہ جنرل دے سکتے ہیں جنہوں نے اس جانکاہ حملہ میں جان کی بازی لگا دی تھی۔ آرام کر سی میں بیٹھ کر تنقید کرنے والے اس کی اہمیت کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اس حملہ میں اتحادی شکست کے گردھے تک پہنچ گئے تھے کیونکہ سرنوے پر اتحادیوں کا فوج اتارنا نہایت ہی خطرناک اقدام تھا مگر یہ ناگزیر ہو گیا تھا۔ بہر حال یہ ہم کامیاب رہی اور اس کا اثر دوسری لڑائیوں پر بھی مؤثر ثابت ہوا۔

ستمبر ۱۹۴۴ء میں جزیرہ سسل کے فوری سقوط کے بعد جنرل منگرو نے راس مینیا کے اندر خاموشی سے اپنے دو ڈویژن داخل کر دیے۔ یہ گویا اٹلی کے دامن کو پھاڑنے کے لیے پہلا قدم اٹھایا گیا تھا۔ اٹلی کے اس پہاڑی علاقہ پر جنرل منگرو کی اس تاخت کو جرمن باآسانی روک سکتے تھے بشرطیکہ انہیں شمال سے کسی حملہ کا اندیشہ نہ ہوتا۔ خلیج سرنوے اتحادیوں کے لیے آخری اور موزوں ترین مرکز تھا کیونکہ نیپس پر قبضہ

کرنے کے بعد یہاں سے وہ اپنی سپلائی کے سلسلہ کو قائم رکھ سکتے تھے، مگر اتحادیوں کے اس پلان سے جرمن بھی غافل نہ تھے۔ اس لیے معاملہ ذرا پیچیدہ نظر آ رہا تھا۔ اٹلی کی فوجیں ہتھیار ڈال چکی تھیں۔ لہذا اس غلا کو پُر کرنے کے لیے جرمن تیزی سے کمک جمع کرنے لگے تھے۔ چنانچہ جنرل کیٹنگ کے زیرِ کمان جرمینوں کے اٹھارہ ڈویژن آگئے تھے جن کے مقابلہ کے لیے اتحادیوں کے صرف چار ڈویژن تھے۔ جرمن توپیں ایک نیم دائرے کی شکل میں خلیج سرنوے سے تیس میل کی حد تک نصب تھیں جو اتحادیوں کو بموں کے رکھ سکتی تھیں۔ جنرل آئزن ہاور نے یہاں کی کمان پانچویں آرمی کے جنرل مارک کلاارک کے سپرد کر دی تھی۔ یہ جنرل کلاارک کی پہلی کمان تھی۔ طے یہ پایا تھا کہ انگریز اور امریکن شمال کی جانب سے جزیرہ نما اٹلی پر اپنی فوجیں اتاریں گے لہذا وسط ستمبر میں امریکہ کے چار سو پچاس بحری جہاز خلیج سرنوے میں داخل ہو گئے تاکہ اپنی افواج کو اتار سکیں۔ اتحادی اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ جرمن شمال کی جانب چلے جائیں گے مگر ان کا یہ فلسفہ جلد ہی ٹوٹ گیا۔ حملہ ہونے پر جرمن کسی طرف ہٹنے کے بجائے اٹلی کی سبز زمین پر چم کر مقابلہ کرنے لگے اور سرنوے ایک زبردست جنگی محاذ بن گیا۔ اتحادی فضائیہ کے ماہرین کا خیال تھا کہ وہ جرمن کی سپلائی لائن اور مواصلاتی نظام کو درہم برہم کر ڈالیں گے مگر یہ قیاس بھی زیادہ صحیح ثابت نہ ہوا۔ آخر میں یہاں کی جنگ کے نتیجہ کا انحصار جرمینوں کی جنگی آزمائش اور تجربہ پر رہ گیا۔

اتحادیوں کے بیڑے جیسے ہی فوجیں اتارنے کے لیے سرفروغ  
ساحل کے قریب پہنچے جہاں جرمنوں کی مضبوط دفاعی لائن موجود تھی  
جرمنوں نے لاڈل سپیکروں کے ذریعہ ان کو دھمکی دینی شروع کر دی کہ  
ہم نے تمہیں اپنی توپوں کی زد میں لے لیا لہذا کنارے پر اتر کر ہتھیار  
ڈال دو۔ اس کے ساتھ ہی صبح کے کمریش چھپا ہوا یہ ساحل جرمن  
توپوں سے گونج اٹھا۔ بس پھر تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا قیامت آگئی  
اتحادیوں کی کشتیاں برستی ہوئی آگ میں بڑھنے لگیں۔ جرمنوں کی توپوں  
ہوائی ہمازوں اور دشمن گنوں نے ان کا صفایا کرنا شروع کر دیا۔ مگر  
انگریزوں اور امریکیوں نے ہمت نہیں ہاری۔ ساحل کی طرف مڑتے  
گرتے بڑھتے رہے۔ جن کی کشتیوں کے ٹکڑے اڑنے لگے تھے وہ ہاتھ پر  
مارتے ہوئے ٹھکان سے پھر پھر ساحل پر اتر گئے مگر کسی نے ہتھیار ڈال  
کا نام نہ لیا۔ اس لینڈنگ کی جنگ میں سپاہیوں کی انفرادی جرأت و  
شجاعت کی داستان بڑی لمبی ہے۔

جرمنوں کی مشین گنوں کی پوچھاڑ میں انگریز اور امریکی گھسے چلے  
جارتے تھے اور مرتے گرتے ساحل پر اتر رہے تھے۔ یہاں تک کہ  
اتحادی فوجوں نے جان لڑا کر اترتے ہوئے ساحل کے اہم مقام پر  
قبضہ کر لیا اور رات ہونے تک سرفروغ کو فوج کر دیا۔ پھر اتحادی پانچ  
میل تک خشکی پر بڑھتے چلے گئے۔ جرمن ٹینکوں اور توپوں نے ایسی  
آگ برسائی کہ رات کی تاریکی میں ہر طرف لاشوں کے انبار لگ گئے۔ جرمن

کی تعداد کئی تھی۔ انھوں نے سمٹ کر قلیل تعداد اتحادیوں پر پے درپے  
حملے کیے۔ براؤنچے مقام اور ٹیلوں پر سے جرمن توپیں اور ہمدردیں آگ  
اگل رہی تھیں۔ سرفروغ جہنم زاد بنا ہوا تھا۔ سمٹ کر وسط تک پورا  
ساحل علاقہ آگ کے قلعے لگا کر باجرمن جنرل کیسر لنگ اتحادیوں کو  
چھ سمندر میں دھکیل دینے کا تہیہ کیے ہوئے تھا۔ جرمن پنزر ڈویژن  
ان سے ہلاک کی طرح چٹ گئے تھے۔ ادھ جہنم پر و پگینڈہ مشین نے  
اعلان کرنا شروع کر دیا تھا کہ جرہرہ نمائلی پر اتحادیوں کے لینڈنگ  
کر کے انتہائی اندھے پن کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی موت ہی میاں اٹھیں  
لائی سے۔ بہت جلد ان کا مکمل صفایا کر دیا جائے گا۔

مگر انگریز اور امریکی اپنے قبضہ میں آئے ہوئے علاقوں میں جھے  
رہے۔ حالانکہ ان پر مروج و رواج جرمنوں کے حملے جاری تھے۔

آخر جنرل کلارک نے اپنی پوزیشن برقرار رکھنے کے لیے فضا میں  
سے مدد طلب کی کیونکہ رسیل پر جاؤ برقرار رکھنے کی یہی ایک صورت ممکن  
تھی۔ اب ایک مصیبت یہ آ پڑی تھی کہ جرمن ٹینکوں اور فوج کا ایک یونٹ  
امریکی فوج کے عقب تک آ گیا تھا یہاں تک کہ اس کا فاصلہ ساحل سے  
صرف دو میل رہ گیا تھا۔ اتحادیوں کے پاس زرو و فوج بھی نہ تھی کہ  
اس کو کام میں لایا جاسکتا۔ آخر چھتیسویں ڈویژن کو جرمن کے شدید  
حملوں کی تاب مزید نہ لانے کی وجہ سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس موقع پر جرمن  
جنرل کیسر لنگ کو اگر تباہی مل جاتا کہ اتحادی رزج ہو چکے ہیں اور

وہ تھوڑی سی فوج اور جھوٹک دیتا تو اتحادیوں کا مکمل صفایا ہو جاتا۔ اتفاق سے جنرل کلارک کو جرمن فوج کی اس یلغار میں ایک ایسا ٹیلہ نظر آگیا کہ اگر اس پر قبضہ کر لیا جاتا تو بڑی مصیبت ٹل سکتی تھی مگر اس کے پاس فالتو سپاہ نہ تھی۔ لہذا اس نے علاقے آدمیوں کو منتخب کیا مثلاً بابو لوگ، بابو پچی، میکینک اور ریک ڈرائیور اور ان سب کو اسلحہ دے کر میدان میں اتار دیا۔ اس مشکلہ خیز نا تجربہ کار فوج کو بچھے ہوئے خونخوار جرمنوں کے مقابلہ پر لایا گیا مگر ان میں باقاعدہ انگریز اور امریکی فوجی بھی شامل تھے۔ آخر ان سب نے مل کر شدید حملہ کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جرمنوں کے حملے جو مروج و دموج ہوئے چلے چارے تھے رُک گئے۔ اس کے بعد وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ صبح ہونے تک اتحادیوں کے پارا ٹروپ بھی آگئے اور نقشہ آہستہ آہستہ بدلنے لگا مگر جرمن اب بھی حکمت سے دور تھے۔ ان کے کمانڈر بار بار اپنی فوجوں کو حملوں کے لیے اکسارتے تھے لیکن جرمن افواج کی اب اگلی جیسی اسپرٹ نہ رہی تھی۔ انھوں نے جتنا چاہا مگر اتحادیوں کی اس مخلوط اور نامزدی فوج کے آگے ان کی پیش نہ گئی۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ آسمان سے نازل ہونے والے پارہ روٹا نے انھیں کافی نقصان پہنچایا تھا۔ ایسی فوج پر قابو پانا دشوار ہے جو دشمن کے آگے ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ ہو، اب اتحادیوں کا یہی جذبہ تھا۔

جرمنوں کے حوصلے مزید لپٹ کرنے کے لیے دوسرے روز اتحادیوں

کی نقصان دہ کمک بھی آئی تھی۔ اس نے آتے ہی جرمنوں کی سپلائی لائن اور مواصلاتی نظام کو درجہ بدرجہ کم کرنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف اتحادیوں کا بحری بیڑا سمندر سے خشکی پر قیامت ڈھانے لگا۔ اس طرح فوجی نفری اور سامان حرب کی کثرت کے باوجود جرمن ان حملوں کی تاب نہ لاسکے اور انھیں شدید نقصان اٹھانا پڑا۔

جرمنوں کو مزید نقصان پہنچانے کے لیے جنرل کلارک نے پارا ٹروپ کو جرمن لائن کے عقب میں اترنے کا حکم دیا۔ یہ بڑا خطرناک فیصلہ تھا اور اس کی وجہ سے جنرل کلارک پر سخت تنقید کی گئی تھی۔ بہر حال پارا ٹروپ نے جرمن فوج کے پیچھے اترنے کی کوشش کی، اس میں بہت سے مارے گئے۔ پھر بھی پارہ ٹروپ دشمن کی صفوں کے پیچھے بہت ہی کم تعداد میں اتر سکے، البتہ ٹیلوں کے پیچھے جا چھپنے میں کامیاب ہو گئے اور وہیں سے انھوں نے جرمنوں پر گولہ باری شروع کر دی۔ اس کارروائی میں ان کا بہت کم نقصان ہوا اور جب وہ اس ہم سے آزاد ہوئے تو ان کی تعداد اسی فی صد باقی تھی جو اپنی فوج سے آئی۔

جنرل آئزن ہاور جب سرٹوکے معاینہ کو آیا تو جنرل کلارک نے اس سے درخواست کی کہ اب اس محاذ کے ایک دو کمانڈرین کو آرام کی اجازت دی جائے کیونکہ جرمنوں کے ہاتھوں ان کی اور ان کے آدمیوں کی خاصی مرمت ہو چکی تھی۔ آرام مل جانے سے ایک تو ان میں دوبارہ اعتماد پیدا ہو جائے گا دوسرے وہ تازہ دم بھی ہو جائیں گے بہت

## جاپان کا محاذ

اگست ۱۹۴۲ء میں امریکی فوجی جزائر ٹنگی، گوٹو اور گوڈل کینل میں کشتیوں کے ذریعہ اترنے کو تو اتر گئے تھے مگر اس کے بعد وہ مصیبت میں پھنس گئے ایک توان کی تعداد صرف ایک ہزار تھی جو جاپانیوں کی لاتعداد فوج کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہ رکھتی، دوسرے امریکیوں کو جنگل کی لڑائی کا کوئی تجربہ نہ تھا گھنے جنگلوں کی لڑائیوں میں دشمن طرح طرح کے گڑھے، پھندے اور جالی پھیلا دیتا جس میں حملہ آور پھنس جاتے اس کے بعد جاپانی آسانی سے ان کا شکار کر لیتے تھے۔ اس کو تو ایک اتفاق ہی سمجھیے کہ جزیرہ گوڈل کینل میں جاپانیوں کی تعداد بھی زیادہ نہ تھی مگر وہ جلد ہی کثیر تعداد میں وہاں پہنچ سکتے تھے۔ امریکہ نے جزیرہ ٹنگی پر صرف ایک ٹیلیفون اتاری تھی جسے فوجی نقطہ نظر سے حماقت کے سوا کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ یہ تو صرف ان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ قتل ہونے سے بچ گئے سبب یہ تھا کہ یہاں جاپانی بھی کم ہی تھے ورنہ امریکیوں کا قطعی صفایا ہو جاتا۔ بہر حال جزیرہ گوڈل کینل کے ایک پوائنٹ پر اترتے ہی انہوں نے ایک ناقص ایریلیئر کی پناہ لی پھر اس

بھر کی اس بھول ناک جنگ میں اتحادیوں کا کافی نقصان ہوا تھا۔ امریکی فوج کا کم، انگریزوں کا بہت زیادہ ان کے پانچ سوا کتیس آدمی مارے گئے تھے اور ایک ہزار نو سو پندرہ زخمی ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ ایک ہزار پانچ سوا کٹھ لاپتا تھے جس کے برعکس امریکی صرف دو سو پچیس مارے گئے تھے، آٹھ سو تینتیس زخمی ہوئے تھے اور پانچ سو نو اسی لاپتا تھے۔ جرمن سپاہیوں میں مرنے والوں اور زخمیوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔

یہ گویا جزیرہ نما اٹلی کی ایک سخت مہم کا آغاز تھا جو کافی طویل اور جان لیوا تھی۔ اس مہم میں جرمنوں کو بالادستی حاصل تھی کیونکہ ان کی مضبوط دفاعی لائن خشکی پر تھی۔ اس کے برخلاف اتحادیوں کو سمندر میں کشتیاں لے جا کر ساحلوں پر اپنی فوجیں اتارنی پڑتی تھیں جس سے انہیں نقصان عظیم اٹھانا پڑتا تھا مگر وہ جرمنوں کو بھی چین سے نہ بیٹھنے دے رہے تھے۔ جرمن بڑے لڑاکا تھے مگر اتحادی بھی بڑی بہادری سے جیسے ہوئے تھے اور جرمنوں سے اٹلی کو خالی کرانے پر تڑپ گئے تھے۔ بہر حال سرنوہر فوجیں اتارنے کی مہم جسے پہلے دیونگی سے تعبیر کیا گیا تھا، ایک بڑی سوچ بچی مہم تھی۔



Salerno Attack  
Sept 1943

کے جنگل، میدان اور گردھوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ کبھی ختم نہ ہونے والی جنگ ہے۔ بہر حال اب طرفین کی کمک پہنچنی شروع ہو گئی تھی۔ آخر ایک مقام پر سے جاپانیوں نے اپنا تائیچی حملہ کر دیا۔ امریکی رات دن اپنے دفاع کو مضبوط کرنے میں سرگھبراتے رہتے اور کشتیوں کے ذریعہ ان کی کمک پہنچنے کا سلسلہ جاری تھا تاکہ حملہ آور تباہ ہونے سے بچ جائیں۔ اس کے بعد امریکیوں نے جہازوں کے ذریعہ اپنی فوج اتارنی شروع کر دی۔ اسی طرح جاپانیوں کی کمک بھی دھڑا دھڑ بچ رہی تھی۔ غرض ایک بڑی لڑائی کی ٹھن گئی تھی۔ جاپانیوں نے امریکیوں کے جریرے پر قدم رکھتے ہی ان پر فضا کی اور بھری گلی بھی شروع کر دیے تھے تاکہ حملہ آوروں کو مدد نہ مل سکے پھر انھوں نے اپنے پورے جبری بیڑے کو حرکت دے کر گوڈل کینل میں لاکھڑا کیا۔ اس جگہ امریکیوں اور جاپانیوں نے یہ کوشش کی کہ ایک دوسرے کو پیش قدمی نہ کرنے دیں اس تباہ کن کوشش میں پچاس سے زیادہ جنگی جہاز اور سینکڑوں ہوائی جہاز برباد ہو گئے۔

امریکیوں کے قبضہ میں جو ایک نامیاد ایرفیلڈ تھا اس پر سے ان کے ہوائی جہاز پرواز کرتے تھے۔ مگر جاپانیوں کے ہوائی جہازوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ فضا کی چھڑپ میں وہ غالب آتے رہے۔ امریکیوں نے جب جریرہ گوڈل کینل پر اچانک لینڈنگ کی تھی۔ تو شروع شروع میں جاپانیوں کو سنبھلنے میں مشکل پیش آتی تھی مگر جب

سنبھل گئے تو وہ امریکیوں کے لیے ایک بڑی مصیبت بن گئے چونکہ جاپانیوں نے اب تک کبھی شکست نہیں کھائی تھی اس لیے ایک نام میں وہ امریکیوں پر پلے پڑ رہے تھے پھر مذہبی اور قومی جذبہ کا ان پر اتنا شدید غلبہ تھا کہ سوائے موت کے کوئی چنبرہ انھیں آگے بڑھنے سے روک نہ سکتی۔ بہر حال امریکیوں کو پہلی بار ایک ایسی قوم سے سابقہ پڑا جس کو یا تو تباہ کر دیا جائے یا خود اس کے ہاتھوں تباہ ہو جائے۔ جنگل میں ہر طرف موت منڈلائی پھر ہی تھی۔ جاپانی گڑھوں، جھاریوں، دلدلوں اور درختوں پر پڑھے ہوئے دشمن کے منظر ریتے۔ انھیں اگر مارنے کو ایک امریکی بھی مل جاتا وہ اس کوشش میں خود بھی جان دینے کو تیار ہو جاتے۔ بالآخر امریکیوں کے زیادہ آدمی مرنے لگے اور ایک تلخ تجربہ لے انھیں کافی چوکتا کر دیا۔ چنانچہ وہ ریگتے ہوئے کہتے تھے اور اس شہر میں گرفتار جھاری یا گڑھ میں کہیں کوئی جاپانی چھپا نہ بیٹھا ہوا فار کر دیتے تاکہ مارنے میں پہل ان کی طرف سے ہو۔ بلکہ اب تو انھوں نے اتنی احتیاط برتنی شروع کر دی تھی کہ ناریل تک پر گولی چلا دیتے تھے کہ مبادا وہ بھی کسی جھپے ہوئے جاپانی کی کھوپڑی ہو۔ اس کے باسوا امریکی یہاں کی شدید اور انتہائی پرخطر زندگی کے عادی رہتے۔ کچھ جاپانی، دلدل، پرخطر گڑھے یہ سب ان کے لیے سامان مرگ تھے۔ پھر انھیں قسم قسم کے کیڑے مکوڑے رات دن کاٹتے رہتے جس کے سبب ان کے بدن لال ہو گئے تھے اور وہ فساد عوام کے شکار ہو رہے تھے کئی کئی دن تک

نہاٹے دھونے سے محروم رہنے کے باعث ان کے بدن پسینے اور  
میل سے شرٹے لگے تھے۔

اسنڈے ہوئے جاپانی جنگی جہاز ان پر عقب سے آگ برساتے،  
سامنے سے تازہ دم فوج کے دستے حملہ کرتے امریکیوں کے لیے نہ کوئی  
مدافعت تھی اور نہ کوئی بچاؤ۔ مختصر یہ ایک دیوانگی کی جنگ معلوم ہوتی  
تھی۔ آخر میں اگست کو ایک بڑی جنگ کا آغاز ہوا۔ امریکیوں کے  
پاس کوئی جنگی نقشہ نہ تھے اور نہ انھیں کوئی خبر تھی کہ فلاں لائن کہاں ہے  
اور کتنے فاصلہ پر ہے۔ زیادہ تر اہل عمل بچو کام چل رہا تھا۔ رات کی تائیکیوں  
میں چھوٹی توپیں اور رائفلیں گرجتی رہتیں۔ جاپانی اور امریکن اندھا دھند  
گولیاں اور گولے برس رہے تھے۔ صبح معلوم ہوا کہ جنگ کی جھکیوں کے  
فوسو جنگی محافظ مارے گئے۔ اسی طرح امریکیوں کی لاشوں کے انبار لگے  
ہوئے تھے۔ امریکی فوجی جب کبھی آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تو انھیں  
قدم قدم پر جاپانیوں کی سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا۔ دونوں ٹیوں  
ٹکابوں سے چھپ رہتے اور نظر نہ پڑیوں اور انبار ایک دوسرے پر  
ٹوٹ پڑتے۔ لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے، چلتے ہوئے تین تین سانس  
اور زخمیوں کی کراہ سے فضا بھر جاتی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے  
انسان جانور بن گیا ہے۔

امریکیوں نے ایک اور پہاڑی پر ایک جاپانی جھنڈا اُھلاتے دیکھا  
مگر جیسے ہی امریکی اسے اتارنے کو پہاڑی پر پہنچے جاپانی ہوائی جہازوں

نے انھیں بھون کر رکھ دیا۔ کئی آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے غنیمت  
تھا کہ یہاں کے خدا اید کے باوجود امریکیوں کے حوصلے ابھی برقرار  
تھے۔ اگر وہ جی چھوڑ دیتے تو اس موت کے جزیرے سے ایک بھی زندہ  
نہ لڑتا۔

جاپانی چھپ کر حملہ کرنے میں کمال کرتے تھے۔ چند قدم کے فاصلہ پر  
چھپا ہوا جاپانی نظر نہ آتا۔ مگر ادھر کوئی امریکی قریب آ جاتا اور  
جاپانی کا ہاتھ اٹھتا اور امریکی گلاٹ جانے سے غون میں نہایا ہوا زمین  
پر تڑپتا نظر آتا۔ اس کے علاوہ امریکی فوجیوں میں پھیش کی سنت دیا  
بھی پھیل گئی تھی۔ خراب آب و ہوا، نہ ہریٹے کیڑے اور گرمی امریکیوں  
کے مزاج کے برعکس چیزیں تھیں۔ پھر انھیں بلیریا نے بھی آپکر لٹھا  
لڑنے کے ساتھ جو بخار چڑھتا تو اتارنے کا نام نہ لیتا۔ اسی حالت میں دسری  
سے بڑھنے والے بخار سے کپکپاتے انھیں لڑنا بھی پڑتا تھا۔ کہاں کا  
شفا خانہ اور کیسا آرام؟ چنانچہ بہت سے بخار کی نذر ہو گئے جو بچ گئے  
تھے وہ سوکھ کر کاشا ہو گئے تھے۔ بعض کا وزن تو چالیس پاؤنڈ تک  
کم ہو گیا تھا۔ بہت سے نقابہت کی وجہ سے قدم تک اٹھانہ سکے تھے  
اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ بے شمار امریکی سپاہیوں اور افسروں کے غون میں اس  
قدر حدت پیدا ہو گئی کہ ان کے جسم پر پھس گئے اور تمام بدن میں ایسی  
سوزش پیدا ہو گئی کہ پانچ پانچ گاریاں بھر گئی ہوں۔ دشمن کا رات دن کاٹو  
کا معلوم حربوں اور حملوں کے اندیش اس پر منتر آتے تھے۔



نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، سب کو جھٹھون کر رکھ دیا۔ جب مردوں کی تلاشی لی گئی تو واقعی ان کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھے پھر وہ نہ معلوم کیوں امریکی فوجی کے پاس دوڑ کر آ رہے تھے۔

غرض جزیرہ گڈول کیلین ہزاروں آفتوں کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ بیمار سی، بال کر رکھ دینے والی گرمی، زمہریلے کیڑے، دلدل اور ان کے نزدیک نظر نہ آنے والے دشمن کے مورچے جن سے ذرا سے شبہ برآگ برسنے لگتی تھی۔۔۔ جزیرہ کیا تھا ایک نمونہ دوزخ تھا۔

ایک دفعہ ایک میرین افسر برتین جاپانی ٹوٹ پڑے۔ ایک کو تو اس نے گولی مار کر ہلاک کر دیا باقی دو اتنے قریب تھے کہ بندو نہ چلائی جاتی تھیں اس نے اپنی بندوق سے ڈنڈے کا کام لے کر ان کا سر بھٹا دیا۔ اتنے میں دو جاپانی اور آگئے۔ وہ میرین پر چاقو لے کر ٹوٹ پڑے۔ میرین نے چاقو چھین کر ایک حملہ آور کا کام تمام کر دیا مگر دوسرے نے میرین کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا۔

اسی طرح کسی باقاعدہ حملے کے بجائے آئنا سا منا ہوتا ہی دونوں طرف کے فوجی روزانہ مارے جارہے تھے۔ آخر کہیں دسمبر کی ابتدا میں قسم قسم کی بیماریوں اور سخت جسمانی ننگان سے پھر پھر امریکی سپاہیوں کو اس جزیرے سے آرام کے لیے نکالا گیا۔ اور ان کی جگہ تندرست اور زیادہ فوج کو اتارا گیا۔ مگر کون کہہ سکتا تھا کہ ان کا بھی وہی حشر ہونے والا نہ تھا جو ان کے پیشرو امریکی سپاہیوں کا ہوا تھا

اب امریکی سپاہی یہ کوشش کرتے تھے کہ سب سے پہلے وہ گولی چلائیں کئی بار ایسا ہوا کہ دونوں طرف سے بیک وقت گولی چلتی اور دونوں ایک ساتھ مر جاتے۔ کوئی امریکی دشمن کو دیکھنے کے لیے اپنی پناہ گاہ سے ذرا بھی سر اٹکا کر تا تو جاپانی کی گولی سے اس کا بھیجا پاش پاش ہو جاتا۔

جب کبھی جاپانیوں کو کوئی امریکی ٹینک نظر آ جاتا تو غصے اور نفرت میں پہلے تو وہ اس پر ٹھونسنے برساتے پھر چاقوؤں سے حملہ کرتے۔ اس کوشش میں کچھ مر جاتے کچھ ٹینک کو آگ لگانے میں کامیاب ہو جاتے غرض امریکی اس جزیرے پر لینڈنگ کر کے ایک مصیبت میں پھنس گئے تھے جہاں روزانہ ہی دھماکے دھماکے مینہ پڑتا رہتا تھا اور ہر طرف راتوں راتوں کیچڑ اور پانی بھر جاتا، جگہ جگہ ایسے دلدل بھی تھے کہ ان میں آدمی دھنستا چلا جاتا، آسمان سے پانی اور مین ویسا رستے گولہ کی بارش!

اس کے برعکس جاپانی اگر کہیں ہاتھ آ جاتے تو ہتھیار ڈالنے کی ذلت سے بچنے کے لیے لڑتے لڑتے مرجانا پسند کرتے یہی کیفیت جاپانی مزدوروں کی بھی تھی وہ کبھی پکڑے جاتے تو امریکیوں کی مدد کرنے کے بجائے مرجانا گوارا کرتے۔ امریکی ایٹمی ایک قوم سے الجھ گیا تھا جس کے نزدیک جان دے دینا کوئی بات ہی نہ تھی۔ اس سرزمین پر رعایت اور انسانی جذبات کے کوئی معنی نہ تھے۔ ایک مرتبہ ایک امریکی سپاہی نے چھپتے جاپانیوں کو اپنی طرف دوڑتے دیکھا اس

کیونکہ ملیزیا اور چین کا اب بھی وہی قدر قدر تھا اور دوسری قسم کی تمام بلائیں بدستور موجود تھیں۔

## بحیرہ بسمارک

بحیرہ بسمارک کے واقعات کا تعلق بھی جاپان کے ایک بحری محاذ سے ہے۔ اوریہ واقعات بھی جنگ کی تاریخ میں بڑے ہولناک ہیں۔ اس لڑائی میں جاپانیوں کو اگرچہ زیادہ نقصان اٹھانا پڑا مگر وہ بغیر اندیشہ سود و زیاں لڑتے رہے۔ اس جنگ میں اتحادیوں کی فضا نے بڑا کام کیا۔

اتحادیوں کے ہوائی جہاز جاپانیوں کے بحری جہازوں پر براہِ گولہ باری کر رہے تھے جس سے جاپانی بحریہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور جہازوں میں کوئی جگہ محفوظ نہ رہی جس میں پناہ لے کر جاپانی طرہ اپنی جان بچاتے۔ کیونکہ بہت سے جہازوں میں مسلسل بم باری کی وجہ سے آگ لگ گئی تھی۔ آخر طرہ جان بچانے کو یابی میں کود پڑے جن طاسوں نے کشتیوں کے ذریعے جان بچانے کی کوشش کی ان کی کشتیاں بھی بموں نے توڑ پھوڑ ڈالیں اور سمند میں تیرنے والے طرہ آسمان سے برسنے والی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔

ہوائی جہازوں پر مار کرنے والی توپوں کا پھلے ہی صفایا ہو گیا تھا

پھر بھی امریکی سپاہیوں کو اس جزیرے کے ناگفتنی شہادیں پہننے کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ انھیں ایشیا کی سخت گرمی، جنگ کی لڑائی اور جاپانیوں کے طریق جنگ کا اچھا تجربہ ہو گیا اور اس تجربہ کی بنا پر پھر کبھی جاپان کے کسی دوسرے علاقے پر حملہ ہوا تو وہ وٹاں کے خلاف برداشت کرنے کے قابل تھے مگر ان مواقع پر حوصلہ برقرار رہنا شرط تھا اور یہ بھی ضروری تھا کہ جاپانی اپنا طریق جنگ بدل دیتے۔

جنوری اور فروری تک امریکی سپاہیوں نے اس جزیرے کی جنگ کا میاابی سے ختم کرنے کی خاطر بڑی تیزی دکھائی اور لگے بڑھنے رہے جس کے نتیجے میں بہت سے امریکی مارے گئے پھر بھی وہ کامیابی سے ہم کنار ہو کر رہے اور جاپانی ہائی کمان نے گیارہ ہزار شکست خوردہ جاپانی فوج کو انخلا کا حکم دے دیا۔ تیس ہزار جاپانی، جنھوں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کیا تھا، بیدرجق قتل کر دیے گئے۔ مگر جنگ ابھی خاتمہ سے دور تھی، کوئی نہ کہہ سکتا کہ امریکہ اور جاپان کی آئندہ لڑائیوں میں کیا ہونے والا تھا۔



November  
1942—United States  
Marines rest in the  
field during the  
Guadalcanal (JAPAN)  
campaign

پرایسے تابڑ توڑ حملے کیے کہ اسے تباہ کر کے رکھ دیا اور سمندر کو جاپانیوں کی لاشوں سے پاٹ دیا تھا۔

ان حملوں میں اتحادیوں کے ہوائی جہازوں کو بھی نقصان پہنچا مگر

زیادہ شدید نہیں۔ جاپانیوں کے بچے ہوئے بحری بیڑے کو نیو گائنا

پہنچنا تھا اور یہ منزل بنوڑ دور تھی۔ ادھر اتحادیوں کے ہوائی جہاز

ان کا پہنچنا نہ چھوڑ رہے تھے۔ اس پر مزید مصیبت یہ ہوئی کہ سمندر پر

طوفان آگیا جس کی وجہ سے جاپانیوں کا بچا کچھ بحری بیڑا بری طرح ٹکڑا

لگا۔ قدرت کے خلاف کون جنگ کر سکتا ہے! اس پر متنازع جاپانیوں

کے سامنے ایمنیشن کی فراہمی کا مسئلہ تھا جس کا ذخیرہ برائے نام رہ گیا تھا

بہر حال جاپانیوں کو اپنے زیرِ دناپ ہوائی جہازوں کی آمد کا انتظار تھا

کیونکہ اتحادیوں کی فضا بیڑے بہت دور پکڑ رکھا تھا۔ یہ بین مارچ ۱۹۴۳

کی بات ہے۔ جاپانیوں کی نگاہیں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ انھیں

اپنے ہوائی جہازوں کا انتظار تھا مگر وہ کوئی نہیں آئے۔ ان کے بجائے

اتحادیوں کے حملہ آور ہوائی جہاز بھر مندوار ہو گئے اور بی چوبیس (۵-۴۴)

مناپ ہوائی جہازوں نے جاپانی بحریہ کے بچے کھچے بیڑے کو دہرے لیا۔

آخر جاپان کی قوتوں نے رائل ایر فورس اور امریکہ کے پانچویں ہوائی

بیڑے پر فائرنگ شروع کر دی۔ کیونکہ ہوائی جہازوں نے آتے ہی حملہ کر

دیا تھا جس سے ایک تباہ کن جہاز کو کافی نقصان پہنچا تھا۔ اس موقع

پر پھر لیفٹیننٹ اموری نے وائٹس کے ذریعہ اپنے بیڑے کو اڑنے سے

اس لیے اتحادیوں کا ہوائی بیڑہ املینان سے تباہ کاری کرتا رہا۔ پھر  
ایک بد قسمتی یہ ہوئی کہ جاپانیوں کے پاس ایمنیشن ختم ہو گیا اور کوئی  
گنسنے تک ان کے پاس گولہ بارود نہ پہنچ سکا۔

غرض جاپانیوں کے پاس امریکی اور آسٹریلوی ہوائی جہازوں کے

حملوں کے خلاف کوئی بچاؤ کی صورت نہ رہی۔ بچے کچے جاپانی بحری جہاز

اس قدر تباہ ہو چکے تھے کہ دشمن کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکتے۔

جہازوں کے تمام انجن بے کار ہو کر بند پڑے تھے۔ آخر جاپانی لیفٹیننٹ

اموری نے حکم دیا کہ چند بحری جہاز جیس زیادہ نقصان نہ پہنچا ہو کام

میں لائے جائیں اور ان کی رفتار جس قدر ممکن ہو تیز کر دی جائے تاکہ گرداب

بلا سے کچھ تو چھٹکارا ملے۔ مگر پانچ پانچ سو پونڈ والے بم گرنے سے

سینکڑوں جاپانی ملاحوں کے جموں کے ٹکڑے اڑ گئے جس کی وجہ سے سمندر

کا پانی لال ہو گیا۔ تقریباً پانچ ہزار سیاہیوں اور ملاحوں کی لاشیں سمندر

میں تیر رہی تھیں۔ اسے ایک طرف جنگ کتنا چاہیے جس میں جاپانی بحریہ

کو اتحادیوں کے ہاتھوں اتنا شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے سترہ بحری

جہازوں میں سے تیرہ تباہ ہو گئے تھے اور بچے ہوئے تین چار جہاز بھی نقصان

رسیدہ تھے۔ اسی طرح جاپانیوں کا ٹرانسپورٹ سسٹم بھی غارت ہو گیا تھا

اور ٹرانسپورٹ کا عمل بھی باقی نہیں بچا تھا۔ اتنی شدید تباہی کی وجہ یہ

تھی کہ بحیرہ ہمارک میں جاپانی بحریہ نے کسی مخصوص اور قابل ذکر روک

لوک کے چلا آ رہا تھا کہ آگے جا کر اتحادیوں کے ہوائی جہازوں نے اس

## آئو جیما کے ہولناک معرکے

آئو جیما کی سیاہ و سنگلاخ سرزمین پر بھی امریکہ اور جاپان کی ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ یہ ۱۹۴۵ء کا واقعہ ہے۔ جب ایشیا کی سرزمین پر دوسری جنگ عظیم اپنی آخری کشمکش میں تھی اور جاپان اس طرح امریکہ سے لپٹا ہوا تھا کہ اس کی جنگی مشینز نے امریکہ کے ناک میں دم کر دیا تھا امریکہ حقیقت میں ایشیا کی ایک ایسی قوم سے الجھ گیا تھا جس کے نزدیک موت گویا ایک کھیل تھی وہ کثیر تعداد میں اپنے آدمی ضائع کر کے اگر قلیل تعداد میں بھی امریکیوں کو ہلاک کر دیتے تو اسے اپنی فتح ہی سمجھتے۔ امریکی چاہی اور افسر اپنے دولت مند ملک کی بخشی ہوئی پر تعیش زندگی کی وجہ سے مرنے سے گھبراتے تھے مگر جب سر پر پڑتی تھی تو انھیں بھی جان کی بازی لگا کر لڑنا پڑتا تھا۔

غرض آئو جیما میں ساڑھے چار ہزار سے زیادہ امریکی مارے گئے اور ساڑھے پندرہ ہزار سے زیادہ زخمی ہوئے۔ یہاں کئی مقامات پر جاپانیوں کی غصیہ قلعہ بندی تھی۔ پھر بھی ان کے تنہا ہزاروں سے زیادہ آدمی مارے گئے یا زخمی ہوئے۔ سو سے زیادہ گرفتار ہوئے وہ بھی

مدد طلب کی مگر اتحادیوں کے ہوائی جہازوں نے فنی لینا جارامی رکھی جن پر فائرنگ کرتے کرتے جاپانی تو بچی تھک چکے تھے کیونکہ اتحادیوں کے تقریباً سو ہوائی جہاز تھکے اور ان میں ہر شاپ کے ہوائی جہاز شامل تھے۔ چنانچہ جاپان کا ایک چار ہزار ٹن وزن کا جہاز آنا فانا سمندر میں غرق ہو گیا۔ آخر خدا خدا کر کے جاپانیوں کے زیر و ثائب ہوائی جہازوں کا ایک چھوٹا سا بیڑا ان کے گیارہ بجے نمودار ہوا۔ لیکن اتحادیوں کے طاقت ور ہوائی جہازوں نے ان میں سے تین کو تو اسی وقت مارا گر باقی بھاگ گئے۔ پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ موسم دفعہ خراب ہو گیا اور اتحادیوں کے ہوائی جہازوں کو بھی لوٹ جانا پڑا اور جاپانیوں کا پیچھا چھوٹا تو نصف سے زیادہ جاپانی ملارج مارے جا چکے تھے اور لا تعداد زخمی ہوئے تھے جو بری طرح کھل رہے تھے۔ پانچ ہزار سے زیادہ جاپانیوں کی لاشیں بحیرہ ہسارک کی خونی موجوں پر تیر رہی تھیں۔ ایسا قتل عام بہت کم ہوا ہوگا۔ کیونکہ جن جاپانیوں نے سمندر میں تیر کر جان بچانے کی کوشش کی تھی انھیں بھی مشین گنوں سے جھون ڈالا گیا تھا۔



Japanese transport under aerial attack in the Bismarck Sea, 3 March 1943

زخموں سے نڈھال تھے۔ امریکہ کے کئی اچھے سپاہی جاپانیوں کی شدید گولہ باری سے موت کے گھاٹ اتر گئے۔ کئی بار جاپانیوں سے دست بردست جنگ بھی ہوئی۔ اس میں بھی طرفین کا کافی نقصان ہوا ہر قسم کے آتشیں اسلحہ آزادی سے استعمال کیے گئے جس کی وجہ سے ہر طرف ایک تباہی مچی ہوئی تھی۔

ایک موقع پر ایک امریکی افسر کسی پہاڑی تک اپنا دستہ لے جانا چاہتا تھا مگر جاپانیوں نے چو طرف سے ایسی آگ برساتی کہ اس کے قدم جم نہ سکے۔ آخر اس نے آواز بلند کر کے اپنے سپاہیوں کو لکھا را اور انہیں بتایا کہ اگر لڑائی جیتنا ہے تو ایسی کئی جہتوں کو عبور کرنا ہوگا۔ عین اسی ہنگامے میں ایک جاپانی سپاہی تنگی نکوار لیے اس پر ٹوٹ پڑا۔ امریکی افسر نے اس کا وار خالی دے کر اس کے ہاتھ سے نکوار چھین لی۔ اور پھر اسی نکوار سے اس کو قتل کر دیا۔ ایسی لڑائیوں میں انفرادی شجاعت کے بجائے کارنلے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان میں سے بہت کم ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں تاریخ میں جگہ ملتی ہے ورنہ ان کے کارنلے ان کی لاش کے ساتھ ہی دفن ہو جاتے ہیں۔ جاپانی بھی ایسی ہی بے جگری سے لڑے کہ کئی مقامات پر انہوں نے امریکیوں کی پیش قدمی کو روک دیا تاہم امریکی سپاہ چھوٹی توپوں سے برابر گولہ باری کرتی رہی جس سے درجنوں جاپانی مارے گئے۔

غرض دونوں طرف کی فوجوں میں جنگ کا جنون اس قدر بڑھ رہا ہوا

تھا کہ اگر امن کے زمانہ میں وہ اپنے اپنے گھروں میں ہوتے تو اپنی جنگی دیوانگی پر نفرتیں کرتے مگر میدان جنگ میں جدال و قتال ان کے لیے گویا ایک کھیل بن گیا تھا۔ دشمن کی یا تو جان لو یا اس کے ہاتھ سے مارے جاؤ۔ کوئی سپاہی جان بچانے کو پناہ کے لیے بھاگتا تو اس کو شش میں دشمن کی گولی کا نشانہ بن جاتا اور گولی مارنے والا ایک شیطانی قہقہہ بلند کرتا گویا اس نے کوئی دل پسند شکار کیا ہو۔ یہ لڑائی کی دیوانگی نہ تھی تو اور کیا تھا!

مرنے اور مارنے کے اس عراقلہ میں بہت سے جنگ جواہری سناٹات سے غافل ہو کر گولی چلاتے رہے جیسے یہ کوئی تفریحی مشغلہ تھا۔ اس تفریح میں کئی بار ایسا بھی ہوتا کہ اپنے دستی بم کو وہ مذاق ہی مذاق میں گیند کی طرح اچھالتے اور اس کے پھٹنے سے خود ہی ہلاک ہو جاتے یا مشین گنوں کو دیوانہ وار گھمانے لگتے اور خود اس کا لقمہ بن جاتے۔ مگر لڑتے رہنے کے مشغلہ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ اب سپاہیوں پر شدید تکان غالب آتی جا رہی تھی۔ اعصاب پر بے پناہ بار پڑنے سے وہ ٹوٹنے لگے تھے۔ چند روز بعد ہی تکان کی پیدا کردہ کئی بیماریاں امریکی سپاہیوں کو لاحق ہو گئیں۔ کسی کو فٹے آنی شروع ہو گئی۔ کبہ کو دستوں کا غار منہ ہو گیا جس کی وجہ سے وہ خفیف و زار نظر آنے لگے۔ چلتے تو قدم نہ اٹھتے۔ پاؤں رکھتے کہیں پڑتا کہیں اور اسی حالت میں وہ گویا ای بھ ہک نے۔ صحت کی گولیاں نہیں بلکہ مشین گنوں کی گرم گرم

جان لیوا گولیاں۔ ان مواقع پر انھیں اپنے وطن کی شراب اور شاہان بازار سے یاد آنے لگتیں۔ جس کا ایک سپاہی کو میدان جنگ میں تصور تک ذکر نہ چاہیے۔

غرض سولہ مارچ سے پچیس روز بعد اس مقام پر لینڈنگ کے دوران امریکی بمشکل کٹاؤ نامی ایک مقام تک پہنچ سکے۔ راہ میں انھیں جاپانیوں کے زمین دوز کٹی قلعے طے جنھیں آگ برس کر تباہ کر دیا گیا۔ جو جاپانی ان میں بھنسے رہ گئے تھے انھوں نے ہری کری خود کشی کر لی لیکن ہتھیار نہ ڈالے۔ ان چیزوں سے اب امریکیوں میں وہ اگلا سا جنون ختم ہو گیا تھا اور اس کے بجائے مفتوحہ جاپانیوں کا ذقار ان کے دلوں میں پیدا ہو گیا تھا۔ آئو جیما کے علاقہ میں جاپانیوں کے تقریباً ڈھائی سو زمین دوز قلعے تھے، وہ سب کے سب تباہ ہو گئے اور ان کے ساتھ ہی بہت سی جاپانی سپاہ بھی ختم ہو گئی۔

## شمالی افریقہ کا محاذ

ایشیا میں جاپان کے خلاف جنگ میں امریکہ اور برطانیہ ایسے الجھ گئے تھے کہ انھیں پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا تھا۔ بحریہ میں کئی مقامات پر امریکہ اور جاپان کی سخت جان گداز لڑائیاں ہوئی تھیں مگر ان سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ بلکہ سلسلہ چلتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ جاپان ایشیا میں برطانوی مقبوضات کو روک دتا ہوا انڈو چائنا اور برما کو پار کر کے بہت آگے بڑھ آیا اور اس کے جوائی جہازوں نے غیر منقسم ہند میں برطانوی علاقہ چنگام تک پر بم برس کر اپنی برتری ثابت کر دی۔ ادھر امریکہ بھی ایشیائی محاذ پر جاپان سے لڑتے لڑتے عاجز آ چکا تھا۔ کیونکہ وہ اب تک جاپان کو کسی مقام پر شکست کٹی نہ دے سکا تھا۔ ان تباہ کن لڑائیوں میں جہاں تک ساز و سامان اور نفری کا تعلق ہے طرفین کو بے قیاس نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ پھر بھی ابھی جاپان کی بحری و فضائی طاقت کافی مضبوط تھی اور امریکیوں پر مسلسل کاری ضربیں لگاتے جا رہی تھی آخر امریکہ نے تنگ آ کر کھسیانے تین میں ایک بڑا افسوس ناک جہیز قدم اٹھایا اور میر وٹھیا پر ایٹم بم گرا کر جنگ کی تاریخ میں ایک

دور نامک باب کا افسانہ ذکر دیا۔ جس کے بعد جاپان اور امریکہ کی جنگ ختم ہو گئی۔

ایشیا کے اس ہولناک واقعہ سے قبل دوسرے یادگار محاذوں کا ذکر ضروری ہے جہاں جرمن اور اتحادی موت اور زندگی کی جنگ میں الجھے ہوئے تھے اس سلسلے کا ایک اہم محاذ شمالی افریقہ کا تھا۔

دشمن کے ٹینکوں کو صرف ٹینکوں ہی کے ذریعہ روکا جاسکتا ہے۔ یعنی ٹینکوں کی جنگ صرف ٹینکوں سے لڑی جاسکتی ہے۔ کیونکہ ٹینک ایک فولادی قلعہ ہوتا ہے جس کا مقابلہ فقط فولادی قلعہ ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ ٹینکوں کی لڑائی کی بہترین مثال شمالی افریقہ کے درہ فیض کے قریب ملتی ہے جس میں جرمنوں کا ٹینکوں سے حملہ اور اتحادیوں کا ٹینکوں ہی کے ذریعہ جوابی حملہ ایک یادگار بھرپور ہے۔ تیس جنوری ۱۹۴۳ء کو الائن کی جنگ کے بعد جرمنوں نے درہ فیض پر حملہ کیا جو تیونس میں واقع ہے۔ اس سے فدا اور فرانس کی ایک چھوٹی سی فوج درہ فیض کو جانے والے راستہ کی حفاظت کے لیے مامور تھی جس کا جرمنوں کا پسے ہی یلغار میں صفایا ہو گیا تھا۔ جرمن ٹینکوں نے درہ کے قریب دھاوا بول دیا اور ٹینکوں کے ایک دستے نے اتحادیوں کے ایک بازو کو روک لیا۔ اس کے ساتھ ہی جرمنوں نے درہ فیض کے قریب واقع اسی نام والے قصبے کا محاصرہ بھی کر لیا۔ جس سے اتحادیوں کا راستہ بالکل مسدود ہو کر رہ گیا۔

یہ جرمن پنزر ڈویژن کی ایک اہم کارروائی تھی جس نے ٹینکوں کے کالم کئی سمتوں میں پھیلا دیے تھے اور سر پر ہوائی جہاز منڈلاتے رہتے تھے۔ انتہائی شمالی علاقہ میں امریکہ کا فرسٹ ڈویژن پراہوا تھا جو بیشتر نا تجربہ کار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ کتنی نا عاقبت اندیشی کی بات تھی کہ جوابی حملہ ایسے ڈویژن کے سپرد کیا گیا تھا جو جرمنی کے آزمودہ کار سپاہیوں کے مقابلہ میں ہیچ تھا۔ لیکن امریکہ کے فرسٹ ڈویژن کمانڈر کا حکم تھا کہ جوابی حملہ کر کے جرمن کی پیش قدمی کو روک دیا جائے۔

آخر امریکی ٹینکوں کا دستہ آگے بڑھنے لگا اور درہ فیض کے جنوب پہنچنے کی کوشش کرنے لگا تاکہ جرمنی کے بڑھتے ہوئے ٹینکوں پر حملہ کر دے۔ اس ڈویژن کی مدد کے لیے ٹینکوں کا ایک اور کالم بریگیڈر رابرٹ کی سرکردگی میں تقریباً چالیس میل دور درہ فیض کی جانب بڑھ رہا تھا تاکہ دونوں فوجیں درہ کے قریب پہنچ کر مل جائیں۔ دوسری طرف چند ٹینک ایک افسر کی سرکردگی میں روانہ کیے گئے جنہیں جرمنی کے بڑھتے ہوئے پنزر ڈویژن کا سامنا کرنا تھا۔ اتحادیوں کے ٹینکوں کو حکم تھا کہ فرانسیسی دستے کی جگہ چلے جائیں جس کا جرمن پہلے ہی خاتمہ کر چکے تھے۔ لیکن جرمن راتوں رات پوری تیاری کر چکے تھے۔ انھوں نے ایک لمحہ غائب کیے بغیر امریکی ٹینکوں کی تواضع کا سامان ہم پہنچا دیا، اور جہاں مناسب جگہ نظر آئی، اپنے ٹینک چھپا

حکم کے لئے تو تمام ٹینک ایک دم اس میں شریک نہیں ہو جاتے بلکہ ان میں سے چند دشمن پر آگ برساتے ہوئے اسے الجھائے رکھتے ہیں باقی ٹینک صرف بڑھتے رہتے ہیں۔

اتحادی کمان اب اس کوشش میں تھی کہ کسی طرح وہ فیض کے آگ پر پہنچ کر اپنے ٹینکوں کی لائن سے اس کا منہ اس طرح بند کر دیں جس طرح بوتل کے منہ پر کارک لگا دیا جاتا ہے تاکہ جرمین اس میں سے نکلنے نہ پائیں لہذا امریکی فوج نے پہاڑیوں کے دامن میں پڑی ہوئی جرمن فوج پر آرٹلری، ٹینک اور ہوائی جہازوں سے حملہ کر دیا۔ اس آٹنا میں جرمین ٹینک بھی وہ سے نکل آئے اور انھوں نے بڑھ کر امریکی ٹینکوں پر جوابی حملہ کر دیا۔ اس طرح ٹینکوں کی ایک گھمسان کی لڑائی پھرنے لگی دھواں، مٹی اور گرد و غبار کے بادل ہر طرف چھا گئے۔ ٹینکوں کی گرج اور کڑک سے کان کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ یہ فتح یا شکست کی جنگ نہ تھی بلکہ موت و زندگی کی جنگ تھی۔ ٹینکوں کے فولادی مکڑے میدانوں اور گڑھوں میں بڑے دھماکے کے ساتھ گرنے لگے۔ تمام فضا تیر و تار ہو گئی۔

امریکن ٹینک جرمین ٹینکوں کے مقابل میں زیادہ سبک رقتا اور دور مار ثابت ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جرمین ٹینکوں کا نظام بگڑ گیا اور اسے اپنے ہوائی بیڑے کی مدد طلب کرنی پڑی۔ چنانچہ جرمین کی فضا نیٹو نے آگے ہی امریکیوں پر بمباری شروع کر دی مگر یہ بم باری کارگر ثابت

کر کھڑے کر دیے۔ اسی طرح انھوں نے اپنی ٹینک شکن توپیں بھی چھپا کر کھڑی کر دی تھیں۔ مزید براں دوسری قسم کی توپیں بھی اسی انداز پر امریکیوں کا انتظار کر رہی تھیں ان کا یہ تمام فوجی ساز و سامان فوجی افسروں کی نگرانی میں تھا جس کے مقابلے پر امریکی فوج نا تجربہ کار تھی۔

جرمنوں کی یہ کارروائی میدان اور پہاڑیوں کو اپنے قبضے میں کئے کی خاطر تھی تاکہ وہ فیض کی گڑنگاہ دشمن کے تصرف میں نہ آجائے۔

اور جرمن جب چاہیں یہاں سے بڑھ کر دشمن پر کاری ضرب لگا سکیں الغرض امریکی فوج کے کالم روہ کی جانب بڑھنے لگے۔ انھیں قطعی اندازہ نہ تھا کہ جرمین فوجی اپنے پورے ہتھ کھڑوں کے ساتھ تیار کھڑے ہیں

آخر امریکی افسر نے جوابی حملہ کی پیش بینی کے طور پر اپنی توپوں اور ٹینکوں کو ایک مقام پر پہنچ کر رک جانے کا حکم دے دیا اور تھوڑی دیر بعد ایک ایک کر کے امریکی ٹینک دشمن کی کمین گاہوں کی طرف بڑھنے لگے

بادی سرنگوں سے پھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ تمام پیچھے آنے والے ٹینک اپنے آگے جلنے والے ٹینک کے بنائے ہوئے راستے پر چلتے رہیں

مگر جیسے ہی یہ ٹینک ایک پہاڑی کے دامن میں پہنچے جرمین کی ٹینک شکن توپوں نے ان پر آگ برساتی شروع کر دی۔ امریکن ٹینک کے کالم کی

نظر جب جرمین کی ٹینک شکن توپوں پر پڑی تو انھوں نے بھی آگ لگانی شروع کر دی اور ان کے اگلے اور پچھلے تمام ٹینک حرکت میں آگئے

ٹینکوں کی لڑائی میں ٹینک جب دشمن پر حملہ کرتے ہیں یا دشمن ان پر



نہیں ہوئی۔ جرمنی کے بہت سے ٹینک تباہ ہو گئے اور انہیں لپیٹا ہوا پڑا۔ بہر حال اتحادیوں کا مقصد پورا ہو گیا۔ اپنے چند ٹینکوں کی قیمت پر انہوں نے پنزر ڈویژن کی پیش قدمی روک دی۔ اس طرح جرمنی کی اعلیٰ افیٹین کور کو لپیٹا ہوا پڑا۔ بہر حال یہ جنگ فتح و شکست کا فیصلہ تو نہ کر سکی البتہ اتحادیوں کے لیے جہاں تک ٹینکوں کی لڑائی کا تعلق تھا کافی تجربہ آموز ثابت ہوئی اور اس سے دور فیض کی قیمت کا فیصلہ ہو گیا، یعنی تیونس میں جرمنی کی کمان ڈھیل پڑ گئی۔

## ابن زیو ساحل

۱۹۴۶ء کے اوائل کا واقعہ ہے کہ ابن زیو کے گرم اور پر خطر ساحل پر چھ سو سے زائد امریکیوں کی جانیں سخت خطرے میں پڑ گئی تھیں۔ وہ بڑی طرح پھنس کر رہ گئے تھے اور ان کی رستگاری کی کوئی صورت نظر نہ آ رہی تھی۔ چنانچہ میجر جنرل ہرمن کو ان کی جانیں بچانے کے لیے بڑا اکیڈنا پڑا۔

واقعات یوں پیش آئے کہ بارش کی ایک رات میں ابن زیو کے کیمپ، پانی اور دل سے بھرے ہوئے ساحل پر امریکی اور برطانوی سپاہ پھنسی ہوئی تھی لہذا ضرورت تھی کہ جرمنوں کے پھندے سے کسی طرح اسے نکالا جائے۔ جرمن فوجیں انتظار ہی کر رہی تھیں کہ اتحادی آگے بڑھیں تو انہیں کچل کر رکھ دیا جائے۔ اس ضمن میں جنرل ہرمن کو ایک اہم اور نازک فیصلہ کرنا تھا۔

ایسی نازک پوزیشن سے عمدہ بہا ہونے کے لیے ایک خصوصی سپاہ کے حوالے کی ضرورت تھی لہذا کمانڈر جنرل لوکاس کے حکم سے ایک ایسا دستہ تیار کیا گیا جسے محصور اتحادیوں کے لیے راستہ بنانا تھا۔ ٹینک اور توپیں

بارش اور کچھ بیس سفر کیا ہے اور مکان سے چور چور ہو رہی ہے۔ اب اگر وہ پھر ایک طویل فاصلہ طے کرتی ہوئی آپ کے پاس واپس بھیجی جائے تو مارے تھکن کے لڑنے کے قابل نہ رہے گی۔ صبح ہونے والی ہے پھر بھی بارش کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ یہ دیل جنرل لوکاس کی سمجھ میں بھی آگئی اس نے اتفاق کرتے ہوئے ریڈیو پر کہہ دیا کہ اچھی بات ہے اپنی فوج کو وہیں رہنے دیں، میں صبح تک جرنیلوں کو روکے رکھنے کی کوشش کروں گا۔

اس طرح جنرل ہرمن نے جرنیلوں پر حملہ کرنے کا جو پلان بنایا تھا وہ قائم رہا پھر اس نے اپنے توپ خانہ کے کمانڈر کو طلب کیا۔ توپ خانہ ایسے مواقع پر بڑا اہم پارٹ ادا کرتا ہے۔ اس کے دو جالین کو تیار رہنے کا حکم دیا گیا۔

جس کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کے قبضہ میں جو علاقہ ہے اسے توپ کے ذریعہ دھن کر رکھ دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ میٹھی فوج کو جس راہ سے حملہ کرنا ہے اسے بھی توپوں کی مدد سے دشمن سے صاف کر لیا جائے۔ ان راستوں کے نقشے امریکیوں کے پاس موجود تھے لہذا جنرل ہرمن نے اپنی آرٹیلری کے کمانڈر سے تاکید کر دیا کہ اگلے علاقہ پر توپوں سے اتنی شدید گولاباری کی جائے کہ دشمن کو کوئی نفر زندہ نہ بچے۔ وائس اور بائیس جرنیلوں کی مقبوضہ دفاعی فوجیں بڑی تھیں۔ اگر توپ خانہ کی گولاباری کا اثر ثابت نہ ہوئی تو امریکی پیپل دستہ کا صفایا

بھی اس کے ساتھ کر دی گئیں۔ مگر یہ کام کافی سخت تھا کیونکہ آگے کے علاقہ پر پہلے ہی سے جرمن سپاہ قابض تھی۔ اتفاق سے جرنیلوں نے بھی حملہ کے لیے اسی بارش کی رات کا انتخاب کیا جب اتحادی سردار بولنے کا ارادہ کر رہے تھے لہذا دونوں طرف سے حملہ آور فوجیں کھٹے لگیں۔ آخر رات کو تین بجے کے قریب کچھ اور پانی سے تر بتر اتحادی سپاہ جنرل ہرمن کی کمان میں اکٹھی ہوئی۔ جنرل ہرمن جیب میں بھی بارش سے تر ہو رہا تھا اور اپنی کھلی گاڑی سے ریڈیو کے ذریعہ اپنی فوج کو احکام صادر کر رہا تھا۔

جنگ جاری تھی کہ جنرل ہرمن کو ریڈیو پر اطلاع ملی کہ ساہل کی دوسری سمت سے یعنی اتحادیوں کے عقب میں جرنیلوں نے حملہ کر دیا ہے۔ وہاں مدد کی ضرورت ہے۔ سوال یہ تھا کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائے۔ وقت بالکل دن تھا اور جرمن عقب سے حملہ کی ابتدا کر چکے تھے اور فوراً کسی فیصلہ پر پہنچنا بہت ضروری تھا۔ جنرل لوکاس ریڈیو پر تقاضے پر تقاضا کر رہا تھا کہ جنرل ہرمن جلد مدد کے لیے اپنی فوج روانہ کرے۔ کیونکہ ممکن تھا کہ جرنیلوں کا یہ حملہ جلد شدت اختیار کر لے۔ جنرل ہرمن نے ریڈیو پر جواب دیا کہ میری فوج کو یہاں سے ہٹانا نہیں چاہیے۔ مگر اس کا داغ جلد جلد فوجی نشیب و فراز طے کر رہا تھا۔ جنرل لوکاس کا اصرار بڑا بڑا جاری تھا۔ آخر جنرل ہرمن نے ریڈیو پر اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ میری فوج نے تمام رات

ہو جانے کا زبردست خطرہ تھا اس لیے توپوں سے کور دیتا تھا۔  
لیکن یہ کور (COVER) ایک تسلسل کے بجائے وقفہ وقفہ سے ہونا چاہیے  
تھا ورنہ امریکی فوج کس طرح آگے بڑھتی۔

فوج کے چار بجے ہوں گے۔ ڈیرہ دو گھنٹے بعد دون ٹکھنے والا تھا۔  
لہذا ابھی کافی وقت باقی تھا کہ امریکی پیدل فوج حملہ کے لیے آگے بڑھ  
کر پوزیشن سنبھال لے۔ اسی لیے امریکی دستے خاموشی سے پوزیشن پر  
جائے شروع ہو گئے۔ لیکن دفعہ جنرل ہرمن کا ریڈیو پھر بولا۔ کوئی ضرر  
کال آئی تھی۔ ریڈیو افسر نے کال کو سنا اور ریڈیو جنرل ہرمن کے حوالہ کر  
دیا کیونکہ کال اسی کے نام کی تھی۔ یہ کال امریکی ہینٹا لیسویس پیدل فوج  
کے کرنل ناسک کی تھی۔ جنرل ہرمن کا مزاج بگڑ گیا اس نازک موقع  
پر جب کہ امریکی توپ خانہ اپنی اہم کارروائی شروع کرنے ہی  
والا تھا کہ ہیڈ کوارٹر سے کوئی کال کے ذریعہ مداخلت کر رہا تھا۔ جنرل  
ہرمن دل میں کہنے لگا۔

”کون ہے بھئی اور کیا چاہتے ہو اس وقت؟ جنرل ہرمن نے ریڈیو  
کال کا تیزی سے جواب دیتے ہوئے کہا۔ کیونکہ ادھر امریکی آرٹیلری  
ہرمن کے حکم کی منتظر ہی تھی کہ فوراً اگلے علاقہ پر آگ برساتی شروع  
کر دے۔

”اچھا کرنل ناسک بول رہے ہیں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔  
جلدی سے کہئے۔ میرا توپ خانہ سامنے گولا باری شروع کیا ہی جا

چہ۔“ جنرل ہرمن نے ریڈیو پر کرنل ناسک سے کہا۔ ہرمن کے یہ الفاظ  
شن کر ناسک بوکھلا اٹھا۔

جی ہاں میں علم ہے کہ آپ اپنے نگے بڑھے ہوئے دستوں کو توپ  
کا کو ریج (COVER AREA) دینے ہی والے ہیں لیکن مہربانی کر کے اپنی گولا  
باری کو روک دیجیے میں اصرار کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ گولا باری نہ  
کریں کیونکہ جس علاقہ پر آپ اپنی توپوں کا منہ کھولنے والے ہیں وہاں  
ایک امریکی دستہ پھنسا ہوا ہے لہذا اس علاقہ پر گولے برسانے کا حکم  
منسوخ کر دیجیے۔

کرنل ناسک ریڈیو پر ہرمن سے التجا کر رہا تھا۔ اس نے درست کہا  
تھا۔ اس گولا باری سے خود امریکی ہی مرتے۔

”کیا کہہ رہے ہو کرنل یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس علاقہ میں امریکی دستہ  
پھنسا ہوا ہے یہ کیا حماقت ہے؟ جنرل ہرمن نے غصہ سے ریڈیو پر  
ناسک سے کہا۔

مجھے بہت افسوس ہے جنرل ہم آپ کی کارروائی میں غلطی نہ ہوئے  
مگر معاملہ بڑا سنگین آپڑا ہے۔ ہماری ایک جٹالین غلطی سے آپ کے منہ  
میں پہنچ گئی ہے اور اس نے عین اس علاقہ میں پوزیشن لے لی ہے۔

جس کو آپ اپنی توپوں کے ذریعہ صاف کرنا چاہتے ہیں تاکہ دشمن اس  
طرف بڑھنے نہ پائے۔ میں برابر کوشش میں لگا ہوا ہوں کہ اس شیلین  
سے رابطہ قائم کر لیں تاکہ وہ جلدی سے اس علاقہ کو خالی کر دے۔ ہم

اس مغالطہ میں تھے کہ اپنے اس دستہ نے وہ علاقہ خالی کر دیا ہوگا۔ مگر ابھی ابھی ہیڈ آفس سے اطلاع آئی ہے کہ اپنا دستہ اب تک وہیں موجود ہے۔" ناسک نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

چین فٹ پر اس قسم کی غیر متوقع اطلاع سے بوڑھے جنرل ہرمن کو پہلے تو براغصہ آیا کہ انہوں نے اس کی معقول و طے شدہ کارروائی کو خاک میں ملا دیا۔ اس کے بعد وہ سخت پریشان ہوا کہ اب کیا کرے اور سوچنے لگا کہ دشمن کی یلغار کو روکنے کے بجائے کیا بغیر لڑے ہی اپنی ایک پوری ٹیلیڈین کو قربان کر دے۔ جنرلوں کو میدان جنگ میں بڑی بڑی گھٹیوں سے سابقہ پڑتے ہیں جنہیں وہ اپنی فوجی مہارت اور تجربہ کارانہ سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں اکثر کامیاب ہوتے ہیں۔

"میری مجوزہ گولاباری نہایت ہی اہم اور ضروری ہے کہ کرنل ناسک اور آپ کو بھی اس کا اچھی طرح علم ہے۔ میں اگر اس گولاباری کو ملتوی کرتا ہوں تو تمام ساحلی علاقوں اور ہماری فوجوں کو دشمن سے سخت خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ اس کی تائید ابھی چند منٹ پیشتر جنرل لوکا کس بھی کر چکے ہیں، حکم تو حکم ہی ہوتا ہے یہ تم بھی جانتے ہو۔ میں اس حملے کو نہیں روک سکتا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم اس امریکی ٹیلیڈین کو وہاں سے جلد از جلد کتنی دیر میں نکال سکتے ہو؟" آمودو کار جنرل ہرمن نے ریڈیو پر کرنل ناسک سے دریافت کیا۔

"براہ کرم مجھے چند منٹ کی مہلت دیجیے۔" کرنل ناسک نے درخواست

کی۔

"ابھی بات ہے۔ میں تمہیں پانچ منٹ دیتا ہوں۔ تم پھر فوراً مجھ سے رابطہ قائم کرنا۔ میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔" آخر ہرمن نے فیصلہ دیتے ہوئے کہا۔ پھر وہ جلد جلد میں ان نازک حالات کا جائزہ لینے لگا۔ سوچا ہونے ہی والا تھا۔ جنرل ہرمن کی نگاہ اپنی گھڑی پر تھی۔ اب بھی وقت تھا کہ مجوزہ علاقہ پر گولاباری شروع کر دی جاتی۔ وقت نکل گیا تو اس لحاظ پر دشمن کا قبضہ ہو جائے گا جس سے تمام امریکن افواج کو سخت خطرہ لاحق ہو جائے والا تھا۔ جنرل ہرمن کو فی الفور کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا تھا مگر چھ سوچنے سے ہوئے امریکی فوجیوں کی جان کا سوال تھا۔ ہرمن ان کو کس طرح اپنی ہی توپوں سے ہلاک کر سکتا تھا۔ دوسری طرف اس ساحل پر امریکی فوج کی زندگی و موت کا بھی سوال تھا۔ چھ سو آدمیوں کو بچانے کے لیے کئی ہزار فوجیوں کو بھی تو قربان کر دیا جاسکتا تھا اپنی ایک تعداد سپاہ کی خاطر کثیر تعداد فوج کو کیونکر موت کے منہ میں دھکیلا جاسکتا تھا۔ ایسے ہی نازک مواقع پر ہوشیار جنرلوں کی فراست کام آتی ہے۔ قلیل تعداد فوج ہو یا کثیر تعداد وہ سب کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں ان کی متواتر سعی یہی ہوتی ہے کہ اپنے کم سے کم آدمی کام آئیں۔

اب اگر میں چھ سو پچھتے ہوئے امریکیوں کی خاطر اپنی تمام فوج کو ہرمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑنا ہوں تو اس کا جواب وہ کون ہوگا اس ساحل سے ہمارا ایک آدمی بھی بچ کر نکلا سکے گا۔ ہرمن سخت پریشانی

جرمن فوج دوڑ پڑی تھی وہ ہرمن کی شدید گولہ باری سے تباہ ہونے لگی۔

رات ہرمنوں نے عقب سے جو اس جزیرے پر حملہ کیا تھا وہ بھی ان کی ایک زبردست چال تھی۔ اس کا راز یہ تھا کہ آگے کے علاقے سے وہ امریکیوں کی توجہ مبذول دیتا چاہتے تھے اور بتانا تو دینا چاہتے تھے کہ ان کا اصل حملہ عقب ہی سے ہے حالانکہ فوجی نقطہ نظر سے یہ حملہ صحیح نہ تھا۔ اسی وجہ سے آزمودہ کار بوڑھا جنرل ہرمن ہرمنوں کی چال میں رہ پایا اور اس نے ہرمنوں کے آگے بڑھنے کی کارروائی کو اگلے علاقے پر شدید گولہ باری کر کے روک دیا۔ اب اس علاقے میں چالیس امریکی سپاہی پھنسے رہ گئے تھے۔ ان سے اگر بھلتا ممکنہ تھا تو ان کو ایسا جانا تو جنرل ہرمن اپنے صاحب فیصلہ کی بنا پر ہزاروں امریکی سپاہیوں کو چپکے کی خاطر چالیس فوجیوں کی جانوں کی پرواہ نہ کرتا۔ بہر حال جنرل ہرمن کی اس کارگزاری سے اس ساحل پر ہرمنوں کی پیش قدمی رک گئی۔ اس کے علاوہ روم پر حملہ کے لیے ایک نئی راہ کھل گئی۔ حالانکہ اس کا وقت بہت بعد میں آیا۔ جنگی کارروائیاں جلد ہی صبح وقت اور سوز و گدازات ہی میں کی جاتی ہیں۔ وقت گزر جانے کے بعد وہ اکثر بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔



Anzio, April 1944

سے سوچ رہا تھا اور اس کے نزدیک توپ خانہ کا منہ کھول دینا ناگزیر ہو گیا تھا، بغیر توپ خانہ کی مدد کے امریکن افواج کو آگے بڑھنا موت کو دعوت دینا تھا۔ ہرمن انھیں کاٹ کر رکھ دیتے۔

جنرل ہرمن انہی تکلیف دہ خیالات میں غطان و چپال تھا کہ ایک دفعہ پھر ریڈیو بولا اور کرنل ناسک کی آواز آئی۔ "ہمارا پھنسا ہوا دستہ بیٹلین پر مشتمل نہیں ہے یہ اطلاع مجھے ابھی ابھی ملے ہے بلکہ صرف ایک دستہ ہے جس میں فقط چالیس سپاہی ہیں۔" جنرل ہرمن نے قدرے اطمینان کا سانس لیا مگر پھر وہی سوال سامنے آیا کہ اپنے ہی چالیس جانناڑوں کو اپنی ہی توپوں سے کس طرح اڑا دیا جائے۔ بہر حال کرنل ناسک نے بتایا کہ ان چالیس سپاہیوں سے وہ علاقہ خالی کرایا جا رہا ہے خیر اب وقت مطلق ضائع نہیں کیا جاسکتا لہذا جنرل ہرمن نے توپ خانہ کو فائرنگ کا حکم دے دیا اور آگے کے علاقے میں ایک بارگی توپوں کے سہ ہونے سے جیسے زلزلہ آ گیا۔

"خدا مجھے معاف فرمائے۔ میں اپنے ہی چالیس آدمیوں کی جانوں کو نظر انداز کر رہا ہوں تاکہ دوسری ہزاروں جانیں بچ جائیں، جنرل ہرمن نے دل ہی دل میں کہا اور اس کے اس فیصلہ پر شاید قدرت کو رحم آ گیا کیونکہ ابھی ان چالیس امریکیوں نے جگہ خالی ہی کی تھی کہ وہاں جنرل ہرمن کی توپیں آگ کی بارش کرنے لگیں۔ اس طرح ان چالیس سپاہیوں میں سے تو کوئی ضائع نہیں ہوا البتہ اس علاقہ پر قبضہ کرنے کو جو

## علاقہ تبتان

۱۹۴۲ء میں جاپانیوں نے بہت سے امریکی سپاہیوں کو قیدی بنالیا تھا۔ یہ قیدی جاپانی کپتان اومارا کی نگرانی میں تبتان کے علاقے سے پننگا کے علاقہ کی طرف لے جائے جا رہے تھے۔ تبتان سے پننگا کا فاصلہ تقریباً ساٹھ میل تھا۔ پننگا سے ان کو جہاز کے ذریعہ وطن کے کمپ تک پہنچنا تھا۔ جو جنگی قیدیوں کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ ان قیدیوں پر جاپانیوں نے جو ظلم ڈھائے اس کی داستان بڑی لڑنے ویز ہے قیدیوں کے نگران کپتان اومارا کے ساتھ اس کے دو اور مرد گاہ بھی تھے وہ بھی کپتان اومارا ہی کی طرح سنگ دل واقع ہوئے تھے۔ قیدیوں کا قافلہ ابھی روانہ ہی ہوا تھا کہ جاپانی کمپ سے خبر آئی کہ ایک ہزار قیدی اور آنے والے ہیں۔ مزید ایک ہزار قیدیوں کو کنٹرول کون کرے گا؟ کپتان اومارا کے ماتحت نے اپنے ساتھی سے دریافت کیا۔ وہ شاید اس خبر سے تشویش میں پڑ گیا تھا کہ امریکی قیدیوں کی برسی تعداد جمع ہو کر کمین جاپانیوں کے اس چھوٹے سے نگران دستہ پر حملہ نہ کر دے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ان قیدیوں میں بیشتر ایسے

یار اور کمزور ہیں کہ ان سے جلا تک نہیں جاتا۔ اس کے علاوہ جاپانیوں کا ایک اور دستہ پیچھے سے آئے والا ہے۔ جو قیدیوں کی نگرانی کے لیے کافی سے زیادہ ہو گا۔

جاپانی یہ جانتے تھے کہ امریکی فوجی جنگل کی لڑائی کے کام کے نہیں ہیں، اسی لیے انھوں نے یہ خیال قائم کر لیا تھا کہ وہ بزدل بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ جاپانی امریکی قیدیوں کے ساتھ نہایت ذلت آمیز سلوک کرنے لگے تھے اور کپتان اومارا قیدیوں کو اچھی طرح قابو میں رکھنے کو انھیں تیزی سے قدم اٹھانے کو کہتا تھا تا کہ قبل مارچ انھیں اس قدر تھکا ڈالے کہ وہ کسی کام کے نہ رہیں۔ اس نے قیدیوں کو ایک حکم کے ذریعے گاہ گاہ دیا تھا کہ اگر کسی کے قدم سست پڑے تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ فرض کرو کہ ان بیمار اور کمزور قیدیوں میں سے کوئی ڈبل مارچ کا ساتھ نہ دے سکا تو کیا ہو گا؟ کپتان اومارا کے ایک ساتھی نے سوال کیا۔ اس کا جواب اومارا نے یہی دیا۔ ذرا سی بھی قانون شکنی پر کسی قیدی کو معاف نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے سینے میں سنگین گھونٹ دی جائے گی۔ چلنے والا قیدی اگر گر بھی جائے تو اس پر کوئی رحم نہ کیا جائے گا بلکہ اسے بھی مار ڈالا جائے گا کیونکہ کسی جاپانی سپاہی کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ گرے ہوئے قیدی کے پھر اٹھ کھڑے ہونے کا انتظار کرے۔

غرض پہلے ایک مضبوط امریکی قیدی اس کے سامنے سے گزرا

حال انھیں دشمن کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی اور وہ افتان و خیزانِ ٹپل مار چکے تھے۔

چند منٹ بعد ایک جاپانی سپاہی نے اوماراکو اطلاع دی کہ امریکی قیدی سڑک کے کنارے تھوڑا دم لینا چاہتے ہیں۔ اوماراکے اس درخواست کو سختی سے ٹھکرا دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک امریکی قیدی کو لاشن سے نکلتے دیکھا جو آہستہ آہستہ سڑک کے کنارے کی طرف جارہا تھا۔ اوماراکے تیزی سے اس کے پاس پہنچا اور سختی سے بولا کہ خبردار رکنا نہیں، چلتے رہو ورنہ تمھاری خبر لی جائے گی۔ امریکی قیدی نے اپنے پیروں کی طرف اشارہ کیا جن پر کٹائی زخم تھے اور اس کے تلووں میں آبنے علیحدہ پڑے ہوئے تھے۔ اوماراکے اسے خفارت سے دیکھا اور اس کے پیٹ پر ایک لات رسید کر کے چل دیا۔ اسی اثنا میں دو اور تباہ حال قیدی لاشن سے علیحدہ ہو کر مارے ضعف و تکلیف کے زمین پر گر پڑے۔ قیدیوں کو چونکر رکنے کا حکم نہ تھا اس لیے ان کی شامت آگئی۔ مگر دوسرے امریکی قیدیوں نے انھیں بڑھ کر جلدی سے گھسیٹ کر اٹھالیا وہ جانتے تھے کہ اگر انھوں نے اپنے خستہ حال گرے ہوئے ساتھیوں کو یہیں چھوڑ دیا گیا تو جاپانی ان کے ٹکڑے اڑا دیں گے۔ چند ہی منٹ بعد ایک اور امریکی قیدی جس کی زبان سپاس کے مارے باہر نکلی ہوئی تھی پیٹ پکڑے ہوئے ڈنگلاتا کپتان اوماراکے طرف بڑھتا کہ اس سے اپنی تکلیف بیان کرے،

اس کے پیچھے دوسرے قیدی تھے جن کے چہروں پر ناتواں کی وجہ سے ہواشیاں اڑ رہی تھیں پھر بھی وہ تیز گامی سے چل رہے تھے۔ ان کے لباس تار تار ہو رہے تھے اور جموں پر میل جم رہا تھا۔ جاپانیوں کا محاذ دستہ انھیں ٹھوکریں مار کر گھسیٹ رہا تھا۔ اسی وقت میں ایک جاپانی سپاہی ایک امریکی افسر کو دھکا دیتا ہوا کپتان اوماراکے سامنے لایا اور اس نے اس کے ایک لات رسید کی۔ امریکی افسر نے کپتان اوماراکے پانی کی درخواست کی اور اسے بتایا کہ دو روز سے اس کے تمام ساتھی پیاسے ہیں، خود افسر کی زبان پیاس کی شدت میں تالو سے چپکی جا رہی تھی اور حلق خشک ہونے کی وجہ سے اس کی آواز نہ نکل رہی تھی۔ کپتان اوماراکے قیدی افسر کی درخواست پر حقارت سے ہنسا پھر پُر حقیر لہجہ میں بولا۔  
”یہ تو تمھیں پہلے سوچنا چاہیے تھا تم جاپانیوں سے مقابلہ کے لیے نکلے ہو تو اب جھگٹو۔“

”ہمارے پانی کے ذرائع تمھارے آدمیوں نے تباہ کر ڈالے۔ اسی وجہ سے ہمارے حلق میں دو روز سے پانی کی ایک لونڈ تک نہیں گئی۔“  
امریکی افسر نے اوماراکے حلق کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔  
”ہمیں ابھی تم لوگوں سے ملنا ہے، ہم کو بھی پانی کی ضرورت پڑے گی لہذا تمھیں پانی نہیں دیا جاسکتا۔“ اوماراکے سختی سے کہا اور افسر کے پاس سے ہٹ گیا۔ اس کے بعد اس نے قیدیوں کو ڈپل مارچ کا حکم دیا۔ اس سے قیدیوں میں ہراس و یاس کی ایک لہر دوڑ گئی۔ بہر

رہو ورنہ مار دی جائے گی۔ اس طرح امریکی قیدیوں کو خاموش کرنے کی کوشش کی گئی۔

قیدی بھوک اور پیاس سے اس قدر نڈھال ہو رہے تھے کہ انھوں نے اپنے لب ترک کرنے کو اس پیاس کے درختوں کی پتیاں اور ٹہنیاں نوچ کر منہ میں رکھ لیں۔ ان کے گارڈ کو کوئی علم نہ تھا کہ آیا اس کی اجازت ہے یا نہیں اس لیے اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ الغرض قیدیوں کی قطار گرتی پڑتی چلتی رہی۔ امریکی قیدیوں میں چند فلیاٹن کے قیدی بھی شامل تھے۔ ان کی بھی ایسی ہی درگت بنا تی جا رہی تھی جیسی کہ امریکی قیدیوں کی۔ اس علاقہ میں جاپانیوں کو فلیاٹن کے گوریلوں کا خطرہ تھا جنہیں ہر چند تباہ کر دیا گیا تھا پھر بھی اندیشہ تھا کہ شاید کہیں دبے چھپے رہ گئے ہوں۔

آگے چل کر جاپانیوں کی ایک چھوٹی سی جوگی ملی یہاں جاپانی سپاہی دھوپ سے بچنے کو ایک کھنے درخت کے نیچے بیٹھے۔ کپتان اومارا اس خیال سے کہ جوگی برکوٹی بڑا افسر بھی موجود ہو قیدیوں کے ساتھ مزید سختی سے پیش آئے تاکہ اگر معلوم ہوا کہ ان میں کوئی افسر نہیں بلکہ سب سپاہی ہیں لہذا وہ قیدیوں کو ٹھوکریں مارتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جاپانی گارڈز اور سپاہیوں نے ڈگڈگا کر جاپانی سپاہیوں کو ترسانے کے لیے انہیں بار بار دھکا کہہتے رہے۔ ایک جاپانی نے تو تھوڑا سا جاپانی برتن میں انڈیل کر اس طرح قیدیوں کو دکھایا تو باوہ

مگر شدت درد کی وجہ سے اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے، اومارا نے دم کھانے کے بجائے اس کے منہ پر ایک گھونٹہ رسید کیا جس سے قیدی زمین پر گر گیا، اس پر اومارا بہت عو ش ہوا۔ چلتے رہو رکنا منع ہے۔ کپتان اومارا نے چیخ کر اس سے کہا۔ مگر قیدی اتنا بد حال تھا کہ اس سے ہلاکت نہیں گیا۔ ایک گاؤں بڑے کر بند فوج کا کندا اس کے گردوں پر رسید کیا، دوسرے نے پیٹ پر لات ماری، کپتان اومارا نے اپنی تلوار کے دستے سے اس کے سر پر ضرب لگائی، تیسرے نے بندو ق کی نالی اس کے سینے پر رکھ دی تاکہ کرکھڑا ہو جا، تجھے ہم پہلے ہی تباہ کر چکے ہیں کہ رکنے کی نزاموت ہے۔ کپتان نے چیخ کر گرے ہوئے قیدی سے کہا۔ اس سے دوسرے امریکی قیدی شکایتاً کپتان اومارا سے بولے۔ ہم بھوکے پیاسے اور بیمار ہیں، کٹی۔ ذر سے ہمیں کھانے کو بھی نہیں ملا اور درد سے تو پانی کے لیے بھی تڑپ رہے ہیں، بیماری نے ہمیں علیحدہ بد حال کر رکھا ہے، اس پر پتھارا اتفاقاً ہے کہ قبل مار چکیں۔ اس سے بہتر ہے کہ تم ہمیں ہمیں مار ڈالو۔ جس طرح تم نے ہمارے دوسرے ساتھیوں کو کیمپ میں مار ڈالا ہے۔ قیدیوں کی اس شکایت پر اومارا اگرچہ کہ بولا۔ ہم نے کیمپ میں تمہارے ساتھیوں کو نہیں مارا ہے۔ یہ بالکل جھوٹ ہے حالانکہ یہ سچ تھا، اگر تمہیں پیاس لگ رہی ہے تو اپنا منہ پانی لو۔ اور بھوکے ہو تو اپنا گوشت کھا لو۔ خبردار رکنا نہیں چلتے



دوڑے تو انھوں نے اپنے ہی ایک آدمی کو زمین پر نہرت پتایا، اس کے سینے میں لو کیلے بانس کا ایک تیر پبوست تھا۔ یہ کسی گوریلے کی کارروائی تھی۔ جایا فی بھی گھنے جنگل کی لڑائی میں ایسے ہی تیروں سے امریکیوں کو مار کر کتے تھے تاکہ آواز نہ ہو۔

اس واقعہ سے باخبر ہونے کے بعد اومار اچو کننا ہو گیا اور اس نے یقین کر لیا کہ جنگل میں کہیں گوریلے موجود ہیں لہذا ہتھیار تیار کیے کہ رات ہونے سے قبل سب جنگل سے نکل جائیں اور تیزی سے کسی ریلوے اسٹیشن تک جا پہنچیں مگر اس کے لیے تیز گامی کی سخت ضرورت تھی۔ اور امریکی تیز گامی سے چلنے سے قاصر تھے۔ پھر بھی اومار نے حکم دیا کہ قیدیوں کو تیز تیز بانٹا جائے۔ اب قیدیوں پر لائیں، گھولنے اور بند قوتوں کے کندے پٹنے لگے تاکہ وہ جلد جلد قدم اٹھائیں۔

اس شقادت کی تاب نہ لا کر ایک امریکی افسر قیدیوں کی لائن سے نکل کر کپتان اومار کے پاس آیا اور اس سے بولا کہ ہمارے آدمی بھوک پیاس، بیماری اور کمزوری کی وجہ سے کسی طرح تیز چلنے کے قابل نہیں ہیں۔ لہذا آپ انھیں تھوڑا سا سنا لینے کی اجازت دیں۔ مگر کپتان اومار نے سر ہلا کر کہا کہ جنگی نقطہ نظر سے یہ ہمارے لیے پرخطر ہوگا کیونکہ ہمارے مددگار گوریلے جنگل میں کہیں چھپے ہوئے ہیں اور رات کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ امریکی قیدی نے مایوسی سے اس کی طرف دیکھا اور آخری التجا کے طور پر بولا ہم یہ گارنٹی دے سکتے ہیں کہ ہم

انھیں پانی پلانا چاہتا ہے مگر اس کے وہ پانی زمین پر پھینک دیا جس کو متیق ہوئی زمین نے فوراً جذب کر لیا اور قیدی پانی کے لیے تڑپتے رہ گئے۔

اتفاق سے اسی وقت ایک چیپ کار ریڈیٹر ٹوٹ گیا جس سے گرم گرم پانی نکل کر بہنے لگا۔ قیدی اس کھولتے ہوئے پانی پر ٹوٹ پڑے اور اپنے لب تر کرنے لگے مگر کپتان اومار نے انھیں سختی سے ڈانٹ دیا اس کی اجازت نہیں ہے۔

بہر حال قافلہ پھر چلنے لگا۔ تھوڑی دیر میں کرکیر گڑبڑی ہوئی آسمان پر بندے اڑ رہے تھے اس سے جایا فی اندازہ لگا لیا کرتے تھے کہ جنگل میں کوئی چھپا ہوا ہے۔ انھیں گوریلوں کا اندیشہ تھا لہذا اومار نے حکم دیا کہ کچھ سپاہی گوریلوں کا مقابلہ کریں اور چند امریکی قیدیوں کا صفایا کر دیں تاکہ گوریلے دیکھ لیں کہ امریکیوں سے ہمدردی جتانے کا یہ انجام ہوتا ہے اس سے ہزار سال ہو کر گوریلے چلے جائیں گے۔ مگر ابھی کوئی خطرہ سامنے نہ آیا تھا۔

تھوڑی دیر چلنے کے بعد اومار نے سب کو روک جانے کا اشارہ کیا۔ اب اس نے شاید کسی خطرے کا احساس کر لیا تھا۔ قیدیوں کی لائن رک گئی تو اس نے اپنے دو تین آدمیوں کو سامنے کی گھٹی جھاڑیوں کی طرف روانہ کیا۔ جھاڑیوں کی تلاشی لی گئی مگر وہاں کچھ نظر نہ آیا۔ البتہ فاصلے پر کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ سپاہی لپک کر آواز کی طرف

ملتان اور خوش تھا۔ چند روز کے بعد اومار کو امریکیوں سے لڑنے کے لیے ایک دوسرے محاذ پر جانا پڑا جس میں وہ خود بھی کام آگیا اور اس کی پوری ٹیم کا بھی خاتمہ ہو گیا۔



**Dead soldiers on the Bataan Death March.**



**Prisoners on the march from Bataan to the prison camp, May 1942**

میں سے کوئی قیدی فرار ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔ لیکن کپتان اومار نے سختی سے انکار کر دیا اور افسر سے کہا کہ جاکر واپس قیدیوں کی قطاریں شامل ہو جائے۔ مگر افسر اپنی جگہ سے نہ ہلا اور بولا کہ ڈبل مارچ کرنے سے میرے آدمی زندہ نہیں بچیں گے۔ پھر بھی اومار نے اس کی ایک نہ سنی اور ایک سپاہی کو اشاکا جواسے گسیٹ کر لے گیا۔ پھر اسے دوسرے قیدیوں میں شامل کرنے کے لیے علیحدہ لے کر چلنے لگاتا کہ وہ قیدیوں میں بغاوت نہ پھیلے۔

”ہیز چلو“ سپاہی نے اسے اومار کے حکم سے آگاہ کیا۔ مگر قیدی افسر کے تو پیر ہی نہیں اٹھ رہے تھے وہ کیا تیز چلتا۔ اس کا نتیجہ ہوا کہ سپاہی نے افسر کی پیٹھ میں سنگین گھونپ دی جو اس کا سینہ پار کر کے باہر نکل آئی۔ افسر تڑپ کر زمین پر گر گیا۔ دوسری جانب اومار نے قریب پہنچ کر اس کے سر میں گولی مار دی۔ اس سے دوسرے امریکی قیدیوں میں سخت اضطراب پھیل گیا اور انھوں نے اپنی لائن سے نکل کر سپاہیوں پر حملہ کر دیا مگر نشتے کیا لڑتے۔ سپاہیوں نے پانچ چھ قیدیوں کو گولی سے اڑا دیا۔ اس طرح بقیہ قیدیوں کی بغاوت فرو ہو گئی۔ کافی دور چلنے کے بعد جاپانیوں کی دوسری فوج آگئی۔ اس نے قیدیوں کو جانوروں کی طرح ٹرکوں میں ڈالا اور ایک طرف روانہ ہو گئی۔

کپتان اومار اب اپنے فرض سے سبک دوش ہو گیا تھا۔ وہ

امریکی جہاز ہیلڈی کو بھی ایسا نقصان پہنچایا تھا کہ وہ ناقابلِ ترمیم نظر آتا تھا۔

اس جنگ میں واقعی جاپانی ہوابازوں نے کمال کر دیا۔ وہ ہم یا راکٹ لے کر جہازیں سے امریکی بحری جہاز پر گر پڑتے تاکہ نشانہ خطا نہ جائے۔ ظاہر ہے کہ ان والٹیر ہوابازوں کے ٹکڑے اڑ جاتے مگر وہ امریکی جہاز کو ڈبو کر رہتے۔ ان ہوابازوں کے علاوہ اور بھی خودکشی کرنے والے جاپانی والٹیر تھے جن کا یہ کام تھا کہ نہایت قوی پینے والا مادہ لے کر کشتیوں کے ذریعہ بڑھتے تارپیڈ چلاتے اور خود بھی ان کے ساتھ اڑ جاتے تاکہ دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا سکیں۔

جاپان کے اس بے محابا طریق جنگ سے امریکہ عاجز آ گیا کیونکہ اس طرح اس کے بارہ ہزار آدمی مارے جا چکے تھے اور ان سے تین لاکھ آدمیں زخمی ہو گئے تھے۔ تنہا اوکی ناوا میں سات ہزار سے زیادہ امریکی مر گئے تھے اور لاکھوں زخمی ہوئے تھے۔ امریکی بیوی کو بھی اس جنگ میں شدید نقصان پہنچا تھا اس کے بھی پانچ ہزار آدمی ختم ہو گئے تھے اور اتنے ہی زخمی ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ امریکہ کے تیرہ تباہ کن جہاز اور ایک کیریئر غرق کر دیے گئے تھے۔ ساتھ ہی دوسرے بارہ کیریئر، دس جنگل جہاز اور پانچ کروڑ بری طرح ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ خودکشی کرنے والے جاپانی دستوں نے اپنی مائیں قربان کر کے

## جنگ یا خودکشی

اوکی ناوا (Mitsushima) کی بحری جنگ میں جاپانیوں نے امریکی بحری بیڑے کے ٹکڑے اڑا دیے تھے اس جنگ کے لیے انھوں نے اپنی فضائیہ کے ایک دستہ کو جو ایک سو نوے ہواباز جہازوں پر مشتمل تھا امریکی بحری بیڑے کی تباہی کے لیے مختص کر دیا تھا۔ یوں سمجھیے کہ جاپان کے یہ ایک سو نوے ہواباز اپنی حفاظت کی پروا کیے بغیر امریکی بحری جہازوں پر اس طرح ٹوٹ پڑے تھے گویا خودکشی کر رہے ہوں۔ امریکہ کا سپاہی، ہونہار رہ کر پیش قدمی کی زندگی گزارنے کا خواہاں ہوتا ہے، موت سے ڈرتا ہے اس کے برعکس جاپانی سپاہی اپنے وطن کے لیے کٹ مرنا پسند کرتا ہے۔

اوکی ناوا کی جنگ ۱۹۴۵ء میں ہوئی تھی جسے جاپان اور امریکہ کی آخری جنگ سمجھنا چاہیے۔ امریکی بحری جہاز ہیلڈی (Hull) سمندریں گشت پر نکلا تھا۔ اس کے ہمراہ اور بھی چند چھوٹے جہاز تھے جن کو خودکشی کرنے والے جاپانی فضائیہ نے ڈبو دیا تھا اور

امریکی نیوی کو نقصان عظیم پہنچا دیا تھا اور اسے جاپانی اپنی کامیابی سمجھنے میں حق بجانب تھے کیونکہ جان قربان کرنے کے جذبہ ہی پر نفع و نفرت کا انحصار ہوتا ہے۔ خود جاپانیوں کا کتنا نقصان ہوا تھا۔ اس کا اندازہ آج تک نہ لگایا جاسکا۔

بہر حال امریکی بحری بیڑے پر زبردست مار پڑی اور اس مار کی زد میں بہت سے چھوٹے موٹے بحری جہاز بھی آگئے تھے۔ پھر بھی امریکی بحری بیڑے نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ فوج و خشکست کا ابھی کوئی سوال نہ تھا۔ جنگ میں جاپان کے تقریباً اٹھانوے تباہ کن جہاز اور پچاس سے زیادہ ڈیسٹر ویر کے محافظ جہاز حصہ لے رہے تھے۔ ان میں سے کئی کو کافی نقصان پہنچا تھا۔ جنگ ایک جزیرے کے لیے ہو رہی تھی جس کو امریکہ نے فوجی اڈا بنانے کے لیے تجویز کیا تھا کیونکہ وہ جزیرہ جاپان سے قریب ترین واقع تھا۔

مارچ ختم ہو کر اپریل لگ چکا تھا۔ امیر البحر (Admiral) کو معلوم تھا کہ اب جاپان کی طرف سے سخت مدافعت نہ جنگ لڑی جائے گی لہذا اس نے بحریہ کی مزید کمک روانہ کی۔ یعنی پندرہ سو بحری جہاز جن کا عملہ پچاس ہزار ملاحقین پر مشتمل تھا۔ بارہ سو سے زیادہ سپلائی کے جہاز اور ٹرانسپورٹ ایک لاکھ بیاسی ہزار امریکیوں کو لے کر اوکی ناوا کی سمت چل پڑے۔ اس کے علاوہ تین سو ہوائی جہاز بھی موجود تھے۔ لیکن اتنے بڑے ٹرانسپورٹ اور اس قدر جہازوں کو دیکھ کر اندیشہ تھا کہ جاپانیوں

کے منہ میں پانی بھرتے گا کہ اچھا شکار آگیا۔ خیال تھا کہ اگر جاپانیوں نے حملہ کر کے ٹرانسپورٹ کو دوسرے جہازوں سے کاٹ دیا تو امریکی ملاح اور فوجی دشمن کے رحم و کرم پر ہوں گے پھر ان کا ہینا محال ہوگا۔ اس لیے ضرورت تھی کہ جزیرہ اوکی ناوا کے گرد امریکی بحری بیڑا حلقہ ڈال دے اور امریکی سپلائی لائن اور ٹرانسپورٹ پر جاپانی ہوائی جہاز حملہ کریں تو ان کے غلات توپوں کی دیوار کھڑی کر دی جائے۔

اس طرح جزیرہ اوکی ناوا کے شمال جنوب اور مشرق میں گھیر ڈال کر امریکی چوکیاں قائم کرنی جابین پھر ہر چوکی کے سپرد چند جنگی جہاز اور چار پانچ ہوائی جہاز کر کے امریکیوں نے اپنی دانست میں حفاظت کا بورا سامان کر لیا تھا اور آپس میں رابطہ کا انتظام بھی تھا۔ جاپانی ہوائی حملہ کی صورت میں ٹرانسپورٹ وغیرہ کی حفاظت کے لیے ایسی تدابیر اختیار کی گئی تھیں کہ دھواں بلند کر کے انھیں دھوئیں کے پردے میں چھپا دیا جائے امریکہ کے اس بحری بیڑے کی مدافعت کے لیے جنگی جہاز ہیڈلی کو مارو کر کیا گیا تھا۔

آخر گیارہ اپریل کو جزیرہ اوکی ناوا کے آسمان پر جاپانی ہوائی جہاز نمودار ہوئے۔ ان کے نمودار ہوتے ہی زور زور سے خطرے کے سائرن بجنے لگے اور زمین پر سے جہاز مار توپوں نے فائرنگ کا آغاز کر دیا۔

جاپانی ہوائی جہازوں میں خود کشی کرنے والے والفیئر موجود تھے۔ انھوں نے امریکہ بحریہ کے سردار ہماز ہیڈلی کو تاک لیا مگر جیسے ہی جاپانی

توپوں کا نشانہ بنے اور کتنے فضا ئی جنگ میں کام آئے مگر اب بھی ایک سو چالیس ہوائی جہاز بیڈلی پر آسمان سے موت برسائے میں مصروف تھے۔ دو گھنٹے تک یہ موت کا کھیل جاری رہا اور امریکی بحریہ کے سر پر ہنگامہ برستی رہی۔ اس میں سینکڑوں انسان کام آئے۔ یہ جنگ اگرچہ نچ و خشکست کی جنگ نہ تھی پھر بھی اس کے نتیجہ کا اثر آئندہ کی لڑائیوں پر پڑنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ ایک ہوائی حملہ میں جاپان کے تین تین، چار چار ہوائی جہاز بیڈلی کو تباہ کرنے کے لیے اس پر گر رہے تھے جو کبھی ضائع ہو جاتے کبھی کامیابی سے نشانہ پر جا لگتے۔

اس دھواں و ہار فضا میں بہت سے امریکی ملاح بے ہوش ہو گئے اور کئی ملاوٹ کو تو قہ آتی شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد بیڈلی کے ایک ساتھی جہاز پر براہ راست کئی بم گرے اور وہ غرق ہو گیا۔ اب بیڈلی تنہا رہ گیا تھا اور مسلسل جاپانی بموں کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ آخر چند منٹ بعد ہی بیڈلی پر دو تین ہوائی جہاز مع اپنے طاقتور بموں کے آکرے جس سے اس میں آگ لگ گئی۔ اس کا پادرا بخن بے کار ہو گیا پھر بھی اس کے بچے بچے تو بچیں توپیں داغے رہت مگر بیڈلی اب اتنا سخت ہو گیا تھا کہ اس میں تیزی سے پانی بھرنے لگا۔ ساتھ ہی جاپانی بموں نے اس کے وسطی حصے پر گر کر اس کے مٹنے کا ارادہ کیا اور بیڈلی آخر کار مع اپنے حملہ کے سمندر کی تہ میں پیٹھ گیا جو ملاح سمند میں کود گئے تھے ان میں سے بھی بہت سے مارے گئے۔ ان کی تعداد اٹھائیس تھی۔ ساتھ سے زیادہ

جہاز زبردستی بیڈلی کی توپوں کا منہ کھل گیا اور انھوں نے ایک ہوائی جہاز مار گرایا۔ اس کے بعد رادار کے ذریعہ امریکی کپتان نے اپنے ہوائی یونٹ کو اطلاع دی کہ شمال کی طرف سے جاپانی ہوائی جہاز موج دھوم چلے آ رہے ہیں۔ عین اسی وقت جاپانی فضا نیہ نے آڑے ترچے ہو کر ہر طرف سے حملہ کر دیا۔ ان کے ہنگامے دھماکوں سے کان پڑی آواز سنائی دیتی تھی۔ ہر طرف توپوں اور بموں کی گرج، جو طرفہ آگ ہی آگ، ایک عجیب قیامت کا سماں تھا جسے دیکھ کر دل لرزنا لگتا تھا۔

اب بحری جہاز بیڈلی پر بھی بم گرنے لگے تھے جس سے وہ بری طرح لرزنا لگتا تھا۔ اس کے ملاح دھماکوں کی تاب نہ لا کر فرش پر گر پڑے۔ لیپٹن میں شہرہ بور ہو جاتے، پھر اٹھ کر توپیں ستر کرنے لگتے۔ ہر امریکی ملاح ہراساں ہو کر سوچ رہا تھا کہ انسان ایسے شدید حملوں کی کب تک تاب لا سکتا ہے۔ بہر حال امریکی ملاح حتی الوسع مقابلہ کرتے رہے اور مرتے رہے انسانی جانیں بڑی بے دردی سے ضائع کی جا رہی تھیں ان کی صرف اتنی قیمت رہ گئی کہ جبراًحت پسند حملہ آوروں کا کسی طرح منہ پھوٹا جانے دھماکوں سے بہت سے ملاوٹ کے کانوں کے پردے بھی پھٹ گئے تھے۔ بہت سے خوف اور ہراس کی وجہ سے مغلوں ہو کر رہ گئے تھے۔ پھر بھی بیڈلی مقابلہ پر ڈٹا ہوا تھا حالانکہ بمباری کی شدت سے اب اس کا حلیہ بگڑنے لگا تھا۔ اسی ہنگامے میں جاپانی ہوائی جہازوں نے خود کشی کرنے والے وائے بیڈلی پر ٹوٹ پڑے۔ ان میں سے معلوم کتے

## یورپ کی بگڑی ہوئی حالت

۱۹۴۶ء میں جرمنی کے ہاتھوں یورپ کی جو حالت ہوئی وہ مختار بیان نہیں۔ برطانت اور بر محاذ پر جرمنی کی گمان چڑھی ہوئی تھی۔ اتحادیوں نے جس مقام پر بھی جرمنی کا مقابلہ کیا انھیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ان پے درپے فتوحات کے زعم میں جرمن خود کو ناقابل تسخیر سمجھنے لگے تھے اور اتحادی شکست اٹھاتے اٹھاتے یہ سوچنے لگے تھے کہ جرمن افواج سے عمدہ برآ ہونا بہت مشکل ہے۔ مگر اتحادیوں نے ابھی جوصلے نہیں ہمارے تھے۔ لہنے سپاہیوں کی بیش قیمت جانیں قربان کر کے بھی وہ جرمنی کے مقابلہ سے نہیں ہٹے تھے۔ حالانکہ نازیوں نے انھیں اب تک کیوں بھی فتح سے ہکتا رہوئے کا موقع نہیں دیا تھا۔ پھر بھی وہ بروقت اس فکر میں رہتے کہ کسی طرح یورپ پر نازیوں کے تسلط کیلئے میں شکاف ڈال دیں۔

کینیڈا کی رائٹ رجمنٹ اور اس کے ٹینکوں کا حملہ (۱۹۴۵ء) اور سینٹ نزاٹ وغیرہ پر اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ کینیڈا کی رائٹ آرمی میں کچھ امریکی بھی شامل تھے اور کچھ انگریز سپاہ بھی۔ اتحادیوں کی

زخمی ہوئے۔ جاپان کے بھی اس ہولناک جنگ میں پچیس ہوائی جہاز تباہ ہو گئے مگر انھوں نے امریکی بحریہ کو تنہا نہیں کر دیا۔ البتہ امریکی ٹرانسپورٹ بچ گیا۔ امریکہ کے تقریباً تمام نامور اور بڑے جہاز تباہ ہو گئے اور لا تعداد کھارج موت کے خاٹ اتار دیے گئے۔ اسی طرح جاپانیوں کا بھی کافی جانی نقصان ہوا۔ الغرض تاریخ جہاد و قتال میں انسانوں کی وہ شجاعت جس کا مظاہرہ جاپان نے اس جنگ میں کیا ہمیشہ یادگار رہے گا۔



**USS Bunker Hill burns after being hit by two kamikazes within 30 seconds.**

اس فوج نے ان سواجل پر حملہ کر کے اور فوجیں اتار کر نازیوں کو براہ راست  
 دلانے کی کوشش کی کہ اتحادی اگر کبھی اپنی مجموعی قوت سے نازیوں پر  
 حملہ کریں تو یورپ پر ان کا (نازیوں کا) تسلط ختم ہونا غیر ممکن نہیں  
 ہے۔ یہ سید اس کوشش میں اتحادیوں کو بڑی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ مگر  
 اجتماعی حملہ کی قیمت پر یہ سودا منگنا نہ ہوگا۔ ممکن ہے، انہیں اساعی  
 میں کوئی بڑی فتح فی الفور حاصل نہ ہو مگر نازی کم از کم یہ تو جان لیں  
 گے کہ اتحادی ان کا پیچھا چھوڑنے والے نہیں ہیں اور یہ کہ نازی دنیا کی  
 افضل ترین نسل نہیں جیسا کہ وہ دھندلے اور اشیستہ رہے ہیں اور اسی نسل  
 کی بنا پر یورپ کی دوسری اقوام پر ظلم و ستم ہے۔ نازی  
 مطمئن تھے کہ یورپ میں ان کا کوئی مد مقابل نہیں۔ یہ ۱۹۴۲ء تک کی  
 پوزیشن تھی جبکہ ابھی جرمنی نے روس پر حملہ کرنے کی حماقت کا ارتکاب  
 نہیں کیا تھا۔

ایس اگست ۱۹۴۲ء، ماؤنٹ بیٹن نے، جو اس زمانہ میں آسٹریلیا  
 میں امیر البحر تھا، سواجل پر فوجیں اتارنے کا پلان تیار کیا، جس میں  
 کینیڈا کی افواج کا جنرل میک ناٹن بھی شامل تھا۔ یہ جنرل اس وقت برطانیہ  
 میں مقیم تھا اور وہیں اس کا ہیڈ کوارٹر بھی تھا۔ لینڈنگ کا پلان لکھا  
 آسان نظر آتا تھا مگر عمل کی کسوٹی پر اس کے دشوار ہونے میں کوئی شک  
 نہ تھا۔ طے پایا کہ پہلے ساحل پر کموڈور اتریں گے تاکہ ڈیڑھ میں ساحلوں  
 پر، جو نازیوں کا پتھر نصب ہیں، انہیں تباہ کر دیا جائے۔ فہمی فرانس

کے علاقوں انگلش چینل سے ساٹھ میل پرے ایک قصبہ بھی مقام تھا  
 جس پر نازی قابض تھے۔ منصوبے کے مطابق اس ساحل پر کینیڈا کی  
 رائل رجمنٹ کو ایک طرف سے حملہ کرنا تھا اور کینیڈا کے دوسرے دستہ  
 کو ہر اول کے طور پر حملہ آور ہونا تھا۔ فوجیں اتارنے سے قبل امریکی ہوائی  
 جہازوں کو شدید بمباری بھی کرنا تھی۔ تاکہ نازیوں کی دفاعی تنظیم منتشر  
 ہو جائے۔ دوسری طرف سے اتحادیوں کے بحری بیڑے کو حملہ کے لیے  
 آگے بڑھنا تھا۔

تیاریاں مکمل ہو گئیں تو تاریکی میں اتحادی حملہ آوروں نے مضبوطی  
 سے اپنی اپنی جگہ سنبھال لی۔ پھر فوجی خاموشی سے ساحل پر اترنے کے  
 لیے کشتیوں میں سوار ہونے لگے اور توپچی تیار ہو کر بیٹھ گئے۔ آخر ساحلوں  
 پر بم کے دھماکوں کی آواز آنے لگی۔ جس کا یہ مقصد تھا کہ امریکی ہوائی  
 جہازوں نے طے شدہ پلان کے مطابق بم برسانے شروع کر دیے۔  
 ساتھ ہی فوجیوں کی کشتیاں پانی کو چرتی ہوئی اور جھاگ اڑاتی  
 روانہ ہو گئیں۔ لیکن بد قسمتی سے اسی وقت کینیڈا کے فوجیوں کی کشتیوں  
 کے قریب سے نازیوں کے کنوائے کا بھی گزر ہوا۔ اس کنوائے کی  
 حفاظت کے لیے چار مسلح جنگی جہاز بھی تھیں۔

نازیوں کے ان جنگی جہازوں نے کینیڈا کے کموڈور کی کشتیوں کے  
 پر نیچے اڑا دیے۔ اس ناگہانی آفت کی کوئی شخص پیش بینی نہ کر سکتا  
 تھا۔ کموڈور چلے تو تھے ساحل پر اترنے کے لیے مگر نازیوں نے ایک

ایک کر کے ان کی تمام کشتیاں ڈبو دیں اور جن فوجیوں نے کشتیوں میں سے کود کر جان بچانی چاہی انھیں بھی نازیوں نے گولیوں کا نشانہ بنا کر مع ان کے فوجی ساز و سامان کے سمندر کی تہ میں پہنچا دیا۔ صرف کموڈور کی ایک کشتی بچ سکی جس نے بڑی مشکل سے کنارہ پارہ۔

ایک اہم عیبت یہ بھی ہوئی کہ توپوں کی اس گھن گرج کو سن کر نازیوں کے دوسرے دفاعی دستے چوکنے ہو گئے اور اتحادیوں کو ختم کرنے کے لیے ساحلوں پر نکل آئے۔ ادھر کینیڈا کے کموڈونک باقی بچی ہوئی کشتی جس کے اندر کل تیس چالیس نفر تھے چار گھنٹے تک دونوں جرمینوں کا مقابلہ کرتی رہی۔ ان کموڈور نے جرمینوں کو کافی نقصان پہنچا کر پسپائی اختیار کی کیونکہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تھے۔

ایسے خطرناک لمحات پر یا تو سپاہی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں یا دشمن کے منہ کے ہتھیار ڈال دیتے ہیں مگر کینیڈا کے سپاہی اس قسم کے انسان نہ تھے وہ مارنا اور مرجانا جانتے تھے انھوں نے ہر جگہ ہوشیار ہو جائے والے جرمینوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ حالانکہ دشمن کی شدید گولہ باری لود تھکان سے وہ پورے طور پر رہے تھے۔ جرمینوں نے اپنے دفاعی ساحلوں کے گرد کانٹے دار تاروں کے زبردست حصار بنا رکھے تھے لیکن کینیڈا کے جانناڑ فوجیوں نے کئی جگہ سے تار کاٹ ڈالے اور دشمن کی گولیوں سے گرتے پڑتے حصار میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح جرمینوں نے اونچائی پر بھی مورچے قائم کر رکھے تھے۔ کینیڈا کے فوجی پسینے اور خون میں نہانے

ہوئے ان اونچے مورچوں پر بھی جا چڑھے۔ اس میں بہت سے مارے گئے تاہم انھوں نے نازیوں کو بھی کافی نقصان پہنچایا۔ دوسری جانب نازیوں نے اونچائی پر سے اتحادیوں کے ان جنگی جہازوں پر زبردست گولہ باری شروع کر دی جو ساحل کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے ان میں تباہی مچا دی پھر بھی کینیڈا والوں نے ساحل پر کوہِ ران پر غصب ناک حملوں کا سلسلہ جاری رکھا وہ گولیوں اور توپوں سے گرتے جا رہے تھے مگر ان کے قدم اب تک نہیں ڈگمگائے تھے۔ اسی آتش میں نازیوں کے ہوائی جہاز بھی آگے جن کا امیکی ہوائی جہازوں نے مقابلہ کیا۔ دونوں طرف کے کئی ہوائی جہاز چند ہی منٹ میں تباہ ہو کر زمین پر آ رہے۔

ساحلوں کے نشیب میں اور اونچائی پر ہر جگہ دونوں فوجوں کی شدید جھڑپیں ہوئیں۔ ان میں سے بعض جھڑپیں تو اتنی نئیون بیز تھیں کہ بندھن اور دستی بم بے کار ہو گئے۔ ان کی جگہ سنگین، لات اور گھونٹے تک چلنے لگے۔ دونوں طرف کے سپاہی اور افسر نہ جیتی ہو ہو کر گر رہے تھے۔ مگر اب دوسرے کا پیچھا نہ چھوڑ رہے تھے۔ اطراف میں بھی مرنے والوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے بیشتر فوجیوں اور بحیلے سپاہی تھے۔ ان کے ماں باپ زندہ ہوں گے مگر ان کی اولاد کو جنگ لگن کٹی تھی۔ ہر لڑکھن ہی خون تھا اور زخمی علیحدہ پڑے کر رہے تھے۔

نازیوں کے جنگی جہازوں نے اتحادیوں کے بحریہ کو کافی نقصان



جرمنوں کے نازیوں کی مزید کمک آپہنچی، اس نے جان توڑ کر حملہ کر کے دوبارہ  
ہٹلر پر قبضہ کر لیا، مگر اب ہٹلر کی اہمیت زیادہ نہیں رہی تھی۔ کیونکہ  
ایک تو اس کا ہتھیار شکستہ ہو چکا تھا، دوسرے اتحادی ساحل پر دروزنگ  
بڑھتے ہوئے پھیل چکے تھے، ہر طرف آگ برس رہی تھی۔ اب نازیوں کی فوج  
بھی سمٹ کر حملہ آوروں کو گھیرے میں لے لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ یہ بڑا  
ہلڑکہ مرحلہ تھا لہذا کینیڈا کی جہت کو پلٹ کر واپس آنا پڑا۔ اس کے  
استی فیصدی سپاہی زندہ و سلامت واپس آ گئے۔ یہ بھی بڑی کامیابی  
تھی غرضی اتحادیوں کے حملہ کی غایت بڑی حد تک پوری ہو گئی۔

چار گھنٹے تک اس جنگ کا سلسلہ جاری رہا اور ڈپٹی کی طرف کینیڈا  
کی افواج کا نذر برابر بڑھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اس قصبہ کا حصہ ابھی  
کینیڈا بن نے توڑ ڈالا۔ کئی بار جرمن گولہ باری نے ان کے قدم اکھیر  
دیے مگر انھوں نے چرچل ٹینکوں کی مدد سے ایسا حملہ کیا کہ نازیوں  
کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ گولہ باری کی شدت سے قصبہ کا کافی حصہ تباہ ہو  
گیا تھا۔ بے گھر و بے گھر ہوئے تھے۔ اسی طرح لا تعداد زخمی خاک  
خون میں گھسے ہوئے تڑپ رہے تھے۔ انھیں اٹھانے کا کسی کو  
ہوش نہ تھا۔ اتحادیوں نے نازیوں کا مواصلاقی نظام بھی توڑ پھوٹ  
ڈالا تھا۔ ان کے غیموں میں آگ لگا دی تھی اور ان کے تیل کے ذخیرے  
کو بھی نذر آتش کر دیا تھا۔ ہر سال جرمن قیدی یہ مناظر اپنی آنکھوں

پہنچا یا تھا کیونکہ اتحادی اس خیال سے اپنے جہاز ساحلوں کے قریب  
لے گئے تھے کہ جرمن ابھی ہوشیار نہیں ہوں گے۔ لیکن اتفاقاً ایک  
جرمن کنواٹ کے گزرنے سے تمام ساحلوں کے محاذ جاگ اٹھے۔  
کینیڈا والے قریب کی ایک پہاڑی پر جا چڑھے اور انھوں نے بہت  
سے لوہے کے تار کاٹ کر پھینک دیے۔ نازی اندازہ بھی نہ لگا سکتے  
تھے کہ اس طرف سے بھی حملہ ہو سکتا ہے لہذا اس اچانک حملہ نے  
انھیں ہوا اس باخبر کر دیا۔ بہت سے نازی مارے گئے۔ ان کی تعداد  
چالیس کے قریب تھی۔ چند گرفتار بھی ہوئے اس کے علاوہ کافی تعداد  
میں اسلحہ بھی ہاتھ آیا۔ لیکن چند ہی منٹ میں جرمنوں کی کمک آ گئی۔  
جنہوں نے چھوٹی توپوں کا مزہ کھول دیا۔ دوسری طرف سے بھی توپیں  
اور مشین گنیں چلنے لگیں۔ پھر تو ایسی شدید لڑائی ہوئی کہ پہاڑی  
آگ کی دیوار بن گئی۔ اتحادیوں نے کئی جگہ سے کانٹے دار تانوں کے  
حصار توڑ کر اندر داخل ہونے کا راستہ بنایا تھا مگر نازی ڈٹ کر اتحادیوں  
کا مقابلہ کرتے رہے۔ اس میں ان کے بہت سے آدمی کام آئے۔ فتح و  
شکست کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ کبھی نازی اتحادیوں کو پیچھے دھکیلتے  
کبھی اتحادی انھیں لپٹا کر دیتے۔ آخر کینیڈا کی فوج نے ایک زبردست  
حملہ کیا اور تقریباً دو میل تک اندر داخل ہو گئی۔ مدافعت کی کوشش  
اس جگہ بھی کافی جرمن کام آئے۔

پہاڑیوں پر یوں تو اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا تھا مگر وہ زیادہ دیر

## موت کا پل

ستمبر ۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۳ء تک نازیوں کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ بے شک اس چار سال کی مدت میں یورپ کے اکثر ممالک پر انھیں شدید نقصان اٹھا کر چمپے بھی ہڈیاں پڑا تھا مگر ابھی وہ شکست سے دور تھے۔ امریکہ جب تک اتحادیوں میں شامل نہ ہوا تھا اس وقت تو نازی براہر جگہ اور ہر مقام پر یورپ میں چھائے رہے مگر جب امریکہ بھی جنگ میں کود گیا تو اتحادیوں میں کافی جان پڑ گئی۔ دیکھیں اس کے بعد ہی جاپانیوں نے ایشیا میں امریکہ کی ایسی ٹانگ پکڑی کہ وہ یورپ میں اپنی طاقت کو مرکوز نہ کر سکا۔ اگر امریکہ جاپان پر ایٹم بم نہ گراتا تو بلاشبہ جنگ کا نقشہ ایشیا، افریقہ اور یورپ میں وہ نہ رہتا جو ۱۹۴۵ء میں ہو گیا تھا۔

نازیوں کی جنگی مشین کے چند پڑے یقیناً ڈھیلے پڑ گئے تھے مگر وہ اب تک کمزور نہیں پڑے تھے۔ اوائل مارچ ۱۹۴۵ء میں ریخے جن (Reichsmarschall) کا پل اتحادیوں کے قبضہ میں آ گیا تو نازیوں کے حوصلے ہست ہو گئے۔ اس پل کی تسخیر جب یورپ کے اعلیٰ کمان آئرن لاور

سے دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ وہی اب تک غالب نہیں رہے تھے بلکہ ان پر بھی کوئی غالب آ سکتا ہے۔ اس مقام پر نازیوں کے چند اہم کاغذات اور فوجی نقشے بھی اتحادیوں کے ہاتھ لگے۔ یہ سب بڑے کام کی چیزیں تھیں۔

حلول میں سب سے زیادہ نقصان کینیڈا کی رائٹ رجمنٹ کو اٹھانا پڑا تھا اور اس نے بھی جوانانازیوں کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔ بہر حال چار گھنٹے کی قیامت نیز جنگ کے بعد اتحادیوں کو واپسی کا حکم موصول ہوا کیونکہ وہ تمام ساحلوں کو جرمنوں سے خالی نہیں کر سکتے تھے اس کے علاوہ جرمنوں کی کمک برابر آنے چلی جا رہی تھی۔ اتحادیوں کے پاس تو زیادہ آدمی تھے اور نہ کثیر ساز و سامان۔ دو ہزار تین سو پچاس کینیڈین مارے جا چکے تھے یا زخمی ہو گئے تھے اور تقریباً پانچ ہزار لاپتہ تھے۔

اس حملہ کا اتحادیوں کو سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ انھوں نے نازیوں پر یہ ثابت کر دیا کہ یورپ کے ممالک پر اگر اتحادی ایک بڑی اور مجموعی توت کے ساتھ حملہ کریں تو نازی یورپ میں جم نہیں سکتے اور نہ ہر جگہ ان کا قبضہ رہ سکتا ہے۔ نازی بھی اسی انداز میں سوچنے پر مجبور ہوئے گئے تھے۔ مگر ابھی دہلی دور تھی۔ ایسی یا اس سے بھی شدید کئی جنگیں اور لڑنی تھیں۔

کے علم میں آئی تو اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ اس پُل کی تعمیر کا مقصد مگر ہولناک واقعہ یہ ہے کہ پہلے بٹالین اور اٹھتر دین ڈویژن نے نہایت احتیاط سے تیار کیے ہوئے پلان کے تحت اس پر حملہ کیا اور اس کے دو مضبوط ستونوں کو اڑا دیا۔ اس کے بعد پُل کے خاخا دستوں کو مشین گنوں اور دستی بموں کے ذریعہ جھون کر رکھ دیا۔ بقیۃ السیف محافظ نہایت اہتر کی حالت میں بھاگ نکلے۔ پھر بھی ان کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ پھر تو دریا کے آس پاس کی جڑنا فوج جو خود کو اب تک ناقابل فتح سمجھتی رہی تھی بدحواس ہو کر ادھر اُدھر بھاگنے لگی اور اس نے دریا کے ریشم کے دوسرے پُل اڑانے شروع کر دیے۔ لیکن اتحادیوں نے ایک دو بڑے پُلوں پر بعد غور و خیر بیاہر قبضہ کر لیا۔

جب اس واقعہ کی اطلاع ہٹلر کو پہنچی تو وہ غضب ناک ہو گیا۔ اسی غیظ کے عالم میں اس نے چیف آف سٹاف فیلڈ مارشل وان رنٹ ٹیٹ کو طلب کیا اور اس کے بیان سے مطلق مطمئن نہیں ہوا۔ وہ باور نہ کر سکتا کہ دریا کے ریشم کے پُل پر اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا۔ منہ سے بے تاب ہو کر اس نے فیلڈ مارشل کے سینے پر لگے ہوئے فوجی اعزازات نوچ پھینکے۔ اس کے ساتھ ہی پانچ ان فوجی افسروں کو پھانسی کا حکم دے دیا جن کا براہ راست تعلق پُلوں کی حفاظت سے تھا۔ ایک صدی قبل جب پولین نے دریا کے ریشم پر حملہ کیا تھا۔

اس وقت سے ۱۹۴۵ء تک اس پر کسی طاقت نے تاخت نہیں کیا تھا۔ اس طرح ریشم کی تسخیر نے گویا جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا تھا۔ مگر نازی اس علاقہ کو تمام تر خالی کر کے ابھی نہیں بھاگے تھے بلکہ انہوں نے جیسے ہیٹلر کے مضبوط مورچے قائم کر لیے تھے۔ ان مورچوں سے انہوں نے امریکی فوجوں کو شدید نقصان پہنچایا۔ ادھر اتحادی بھی بدل نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی فوجیں جمع کیں اور سات مارچ کو صبح ہونے سے پہلے بارودی سرنگوں میں پھنتے پھنتے پُل سے دریا کے نکل آئے۔ مگر جرمن اب غافل نہ رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ اتحادی پُل سے آگے بڑھ کر رہیں گے لہذا انہوں نے اپنے ہر قسم کے آلات حرب سے اونچائی پر سے اتحادیوں پر آگ برساتی شروع کی۔ پُل سے اتحادیوں کا آگے نکلنا بجائے خود ایک جان لیوا کارنامہ تھا۔ کیونکہ یہ مقام نازیوں کا گڑھ تھا۔ ہر حال فوج موت کے اس پُل سے گزرتی رہی اور ضائع ہوتی رہی اور بچ جانے والے سپاہی اور افسر آگے بڑھتے رہے۔ اتحادیوں کا آج تک ایسے شدید معرکے سابقہ نہ بڑھتا کیونکہ ان پر چاروں طرف سے گولا باری ہو رہی تھی۔ ادھر نازیوں کی لفٹ وٹ (فضائیہ) کو حکم ملا کہ کسی بھی قیمت پر پُل کو تباہ کر دے۔ لہذا جرمن فضائیہ نے اندھا دھند بم برساتے شروع کر دیے۔ دوسری طرف اتحادیوں کی توپوں کے بھی منہ کھل گئے۔ اس طرح پوری فضا قیامت لاغونہ بن گئی۔ نازیوں کے بم ایسے نشانوں پر گر رہے تھے کہ اتحادیوں

کے ہی بے شمار آدمی مارے گئے۔ مکئی کی قسمت کا اب تک فیصلہ نہ ہو سکا تھا۔ تین دن تک اسی طرح دونوں فریق جنگ میں الجھے رہے اس دوران میں گولہ باری کی وجہ سے مٹی بہت کمزور ہو گیا تھا جس کی مرمت کے لیے اتحادیوں کے انجینئرز رات دن کام کرتے رہے۔ آخر سترہ مارچ کو یہ موت کا پل ایک ایسا ایک گر گیا اور اپنے ساتھ اتحادیوں کے کئی انجینئرز کو بھی دریائے رائن کے برفیلے پانی میں لے ڈیا۔ اس طرح ریہے جن کے پل کا غصہ ٹوٹ کر راجس نے سینکڑوں اور ہزاروں جانیں لے لی تھیں۔ اتحادیوں کی متعدد قوتیں پل کی جنگ میں بڑی دیر کی کا ثبوت دیا تھا جو نازیوں کو بھی ہمیشہ یاد رہنے والی تھی اور اتحادیوں کو بھی کیونکہ اس میں طرفین نے نئے نئے حربے اور چالیں استعمال کی تھیں مگر سپاہی کا سب سے بڑا حیرت انگیز واقعہ اور دیر سے جو طرفین میں پائی گئی۔



**American forces cross the  
Ludendorff Bridge at Remagen  
Date 7-25 March 1945**

کو پل سے مزید آگے بڑھنا دشوار ہو گیا مگر وہ صبر کر گرتے رہے اور بڑھتے رہے۔ ایک عجیب سماں تھا، ہر طرف لاش پر لاش گر رہی تھی آخر جرمن فضا بیڑے پل اڑانے کے لیے غوطہ خور انا ر دیے۔ ان غوطہ خوروں کے پاس بجھک سے اڑ جانے والا انسانا تیز را قہ تھا وہ ہیکسین کی تھیلیوں کی مدد سے ایک گھنٹہ تک پانی کے نیچے رہ سکتے تھے، مگر اتحادیوں کی سرچ لاٹ نے انہیں دیکھ لیا اور ان پر گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ اس میں بہت سے مارے گئے۔ کئی ڈوب گئے اور جو باقی بچے وہ یکڑ لیے گئے۔

لیکن پل کی جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ نازیوں نے خم کر پھر پل پر حملہ کیا کیونکہ فیوہرر ڈیٹل کا حکم تھا کہ ہر قیمت پر پل کو اڑا دیا جائے اور اتحادی اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ جانیں چلی جائیں مگر پل کو اڑانے نہیں دیا جائے گا کیونکہ جرمنی کی طاقت اس پل کو عبور کر کے ہی توڑی جاسکتی تھی۔ غرض دو گھنٹے تک پل کے لیے سخت لڑائی ہوئی رہی جس میں دونوں طرف سے کشتوں کے پٹے لگ گئے بلکہ پورا دن اسی طرح گزر گیا۔

اتحادیوں کے میجر تھرسٹن نے اس پل پر تقریباً تیس حملے کیے تھے سماں تک کہ اس کی بنائیں تھک گئی اور اس کی جگہ دوسری بنائیں کو لگانا پڑا۔ پھر جنگ تیز ہو گئی شام تک تقریباً سونائوں کو قیدی بنایا گیا اور کافی تعداد میں موت کے گھاٹ انا ر دیے گئے۔ اسی طرح اتحادیوں

بھی گنتی ہو۔

## دنیا کی سب سے بڑی جنگ

ہر سال ۱۹۴۵ء میں روہر کے جوہولناک واقعات پیش آئے وہ اپنی ایک علیحدہ تاریخ ہیں۔ اس جنگ کا پلان اتحادی ۱۹۴۲ء ہی میں بنایا گیا تھا جس پر تین سال بعد یعنی ۱۹۴۵ء میں عمل درآمد کیا گیا۔ اس سے قبل شمالی افریقہ، اٹلی اور فرانس کی لڑائیاں جو اتحادیوں نے لڑی تھیں وہ ۱۹۴۵ء میں ہوئے والی اس مختتم اور فیصلہ کن جنگ کا ایک ترہ تھیں۔ روہر آج کی طرح اس وقت بھی یورپ کا صنعتی مرکز تھا۔ خاص طور پر یہ جرمنی کا تولد ہی تھا لہذا جرمنی کو فتح کرنا تھا تو اس کے اس صنعتی قلب پر کاری ضرب لگانے کی ضرورت تھی۔ ۱۹۴۲ء میں جب برطانیہ نازیوں کے لف و تف (فضائیہ) کے بموں سے لرز رہا تھا تب بھی نازی سطوت کو تباہ کر ڈالنے کے منصوبے بنائے جا رہے تھے اور امریکی و برطانوی لیڈر اس فیصلہ پر متفق ہو گئے تھے کہ یورپ کی دستکاری اور جرمنی کی شکست صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب اس کی جنگی مشین اور صنعتی علاقوں کو تروا لاکر دیا جائے۔ آخر ۱۹۴۳ء میں کا سا بلانکا کا قعرش میں اس منصوبہ میں رنگ بھر لیا گیا اور اسے آگے بڑھانے کو پرحمل اور روز دیٹھ نے طے کیا کہ یہ لیفٹیننٹ جنرل سرفیڈرک مورگن کے سپرد کی جائے جو برطانیہ کی افواج کا اعلیٰ کمانڈر تھا۔

روہر دنیا میں شاید سب سے بڑا صنعتی علاقہ ہے اور دریائے

۱۹۴۵ء تک یورپ کی جنگ اتحادیوں کے حق میں کافی سمٹ چکی تھی اور نازی رستگاری (Resistance) کی قسمت ڈگمگانے لگی تھی۔ اس سال روہر (Ruhr) پر جو جنگ ہوئی اس کا شمار دنیا کی سب سے بڑی لڑائی میں ہوتا ہے۔ اس طوفانی جنگ میں اتحادیوں نے پانچ لاکھ سے زیادہ فوج بھجوںک دی تھی اور اتنی تعداد نازیوں کی بھی تھی۔ لاکھوں اور کروڑوں ٹن سامان حرب علیحدہ تھا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ دس لاکھ انسان ایک دوسرے کو کچا جہاد ڈالنے کے لیے یورپ کے ایک مختصر رقبہ میں جمع ہو گئے تھے تاکہ شقاوت اور بے دردی کے جوہولناک مناظر پیش کر کے دنیا سے انسانیت اور تہذیب کا نام و نشان مٹا ڈالیں۔ ممکن ہے جنگجو جنوں اور اتحادیوں نے اس جنگ کو محض کھیل سمجھا ہوا یا انسانی خون کو فقط ایک تماشا سمجھ کر بہا یا ہو مگر مذہب انسان کے لیے یہ بڑا عبرت انگیز معرکہ خویش تھا۔ لیکن اس کا کیا علاج کر دیا میں امن قائم کرنے کے لیے اکثر بڑی لڑائیاں لڑا ہی پڑتی ہیں۔ ہر چند یہ لڑائیاں بقا ہر عارضی امن لے آتی ہیں مگر وہ امن شاید یہی کبھی دیر پا ثابت ہوا ہو گا جس کی بنیاد جنگ پر

رائیں کے مشرق میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ ساٹھ مربع میل ہو گا۔ یہ نازیوں کی ملکیت میں تھا اس کے جنوب میں دریائے سیگ ہے اور شمال میں دریائے لیپی۔ یہاں بھاری اور کثیر المقاصد صنعتوں کی عظیم الشان فیکٹریاں بھی تھیں۔ اس کو اگر زبردست بیماری کے ذریعہ کمزور کر دیا جاتا تو ناممکن تھا کہ نازی جنگ کا سلسلہ جاری رکھنے میں کامیاب ہوتے۔ پھر بھی یہ حقیقت اپنی جگہ پر تھی کہ ہوائی حملے اس صنعت کدہ کو کمزور تو کر سکتے تھے مگر اسے نیست و نابود نہ کر سکتے۔ تاہم جنرل مورگن نارمنڈی میں اتحادیوں کی فوجیں اتارنے کے بعد سے مسلسل رد ہر فوج کرنے کے منصوبے باندھتا رہا کہ اگر وہ رقبہ میں آگیا تو پھر برلن تک پہنچ جانا آسان ہو جائے گا۔ یہ تھا اتحادیوں کا جنگی پلان۔ آخر جون میں مارچ ۱۹۴۵ء کو امریکن افواج دریائے رائیں کے مغربی کنارے تک آگئیں اور جنرل آئزن ہاور جنرل مورگن کے دیرینہ منصوبہ پر عمل درآمد کی تیاری کرنے لگا۔ یعنی دوسرے اہم علاقہ کو فتح کرنے کی سوچنے لگا۔ کینیڈین اور برطانوی سپاہ جنرل ٹنگری کی کمان میں رقبہ کے جنوب آمو جو دوہوئیں۔ جنرل سیٹن نے امریکی فوج کی کمان سنبھالی تاکہ پیش قدمی کرنے میں کوئی رکاوٹ واقع نہ ہو۔ پھر اس نے لڈین ڈلٹ کے ٹرک کو صحیح وسلامت اپنے قبضہ میں لے لیا تاکہ فوجیں باسانی ٹرک کو عبور کر سکیں۔ ادھر جرمنی کی اتحادیوں کی خط ناک نقل و حرکت سے غافل نہ تھا۔ دوسرے اس کی اکیس ڈویژن اور تین لاکھ پچیس ہزار فوجیں موجود

تھیں جن کی کمان فیلڈ مارشل موڈل کے سپر وٹس۔ اس عظیم فوج کے مقابلہ کے لیے جنرل آئزن ہاور نے صرف ڈویژنوں ہی کو نہیں بلکہ پوری فوج کو لا کھڑا کیا۔ شمال کی طرف پڑی ہوئی فوج کو حکم دیا کہ وہ دریائے رائیں پار کرے۔ جنوب سے دوسری فوج کو بڑھنا تھا اور مشرق سے تیسری کو۔ اس طرح جرمنی کی افواج کے گرد ایک آہنی حصار ڈالنا مقصود تھا۔ امریکی جنرل جیرڈ کی فوج دریائے رائیں کے مغربی کنارے پر مامور تھی تاکہ نازی جوابی حملہ نہ کر سکیں۔

الغرض پچیس مارچ کی سروسبح کو حملہ آغا ہوا۔ حملہ کیا ہوا گویا موت آگئی۔ توپوں، گولوں اور بموں سے زمین لرزنے لگی اور دریائے رائیں کا پانی بل کھائے لگا۔ توپ خانے اور ٹینکوں کے تمام ڈویژن آگے بڑھ گئے۔ نازیوں کا جنرل موڈل باوجود بہت سی آسانیاں حاصل ہونے کے ان سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکا۔ بلکہ وہ ایک سخت غلطی کر بیٹھا۔ اسے یہ مفالط ہوا کہ رائیں کے شمال والی امریکن فوج پہلے پیش قدمی کرے گی اس نے اپنی فوج کا رخ بھی اس طرف کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتحادی آسانی سے مشرق کی طرف سے بڑھ آئے۔ یہی ان کا دغا بھی تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہٹلر نے بھی ایک بہت بڑا دھوکا کھایا۔ اس نے جو اپنی افواج کو اتحادیوں میں گھرا ہوا پایا تو ان کو موت کی دھمکی دے کر سختی کے ساتھ پیچھے ہٹنے سے منع کر دیا۔ اس کا بھی خیال نہ نازی فیلڈ مارشل موڈل کو جھٹکنا پڑا۔ اس نے اپنی منتشر فوج کو شمال ہی

کی ایک پیش زد گئی۔ اس کوشش میں وہ زیادہ سے زیادہ مارے گئے۔ بہر حال چودہ اپریل تک یقیناً جرم فوج یاس کے عالم میں لوٹنے کے لیے دھنوں میں تقسیم ہونے پر مجبور ہو گئی۔ عین اسی حالت میں ہٹلر کا حکم آیا کہ کسی طرح اتحادیوں کا علاقہ توڑ کر نکل جاؤ۔ لیکن اب یہ نازی جنرلوں کے بس میں نہ رہا تھا۔ وہ اس حکم کو نظر انداز کر دینے پر مجبور ہو گئے۔ اتحادیوں نے دوسرے کارخانوں، فیکٹریوں اور اسلحہ ساز مشینوں

میں انسان کا خون بہانے والے عجیب و غریب آلات دیکھے۔ مگر دوسرے کی تفسیر کے بعد ناقابل فوج نازیوں کا پردہ فاش ہو چکا تھا اور ان کی جہان بینی کا فلسفہ ٹوٹ گیا تھا۔ یہ تاریخ کا ایک عجیب و غریب اور اس کے ساتھ ہی نہایت عجیبانگہ واقعہ ہے کہ نازی، جن کے منہ انسانی خون لگ چکا تھا، اب اپنے ہی خون میں نہا رہے تھے۔

دوسرے صنعتی علاقہ میں مفتوحہ ملکوں سے پکڑے ہوئے سینکڑوں قیدی کام کر رہے تھے مثلاً فرانسیسی، ڈچ، بلجیئم، اٹالین، چیکو سلوواکیہ، پولینڈ اور بہت سے روسی بھی۔ ان سب کو بڑھایا گیا اور انہیں نازیوں کی غلامی سے آزادی دلائی گئی۔ اتنے ملکوں کے ان قیدیوں کو دیکھ کر فوراً جاہلیت کے جنگی قیدی یا دانے لگے۔ جن کے ساتھ نہایت غیر انسانی سلوک کیا جاتا تھا۔ وہ بے شمار قیدی ان قیدیوں کے علاوہ تھے جن کو نازیوں نے قتل کر دیا تھا ان سب کی لاشیں اکٹھی کر کے ان کو موصوں میں دفن کر دیا گیا تھا۔

میں پڑا رہنے دیا جو اس کا اصل محاذ تھا۔ حالانکہ اسے لازم تھا کہ بہت جلد یہاں سے اپنی فوج کا کچھ حصہ ہٹلر کا ہم موہیوں کی طرف لے جاتا۔ بہر حال اتحادی مشرق کی طرف سے جرمینوں کی دفاعی لائن تک آگئے اور ان پر ٹوٹ پڑے پھر دریائے رینن کا ساحل انھوں نے عبور کر کے اپنی پوزیشن منسب و کر لی۔

اب اتحادیوں کی فوج ہر طرف سے بڑھ کر جرمینوں کی پچھلی ہوئی سپاہ کا سلسلہ منقطع کرنے لگی اور یہ خیال صحیح تھا کہ نازیوں کی فوجوں کا آپس میں رابطہ نہ رہا تو انھیں تباہ ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ آخر اتحادیوں کی چند رزرو کی کوشش سے نازیوں کی فوجیں ایک دوسرے سے کٹنے لگیں اور ان کا صفایا ہونا شروع ہو گیا۔ دو دن تک لڑتے لڑتے اور برابر پیش قدمی جاری رکھنے کے بعد اتحادیوں کی فوجیں اب جلد جلد آگے بڑھنے لگی تھیں۔ تیسرے روز نشانہ بازی کے لیے وہ ٹینکوں کے بھی قریب آگئیں اور اتحادیوں کا شمالی چنگل جنوبی چنگل سے زیادہ دور نہ رہا۔ آخر یکم اپریل کو اتحادیوں کے یزبر دست چبھے آپس میں مل گئے اور انھوں نے درمیان میں پھٹے ہوئے نازیوں کو کچل ڈالا۔

نازیوں کی کافی بڑی فوج ان فولادی بیجوں کے درمیان آگئی تھی، یعنی انیس ڈویژن۔ ایک لاکھ دوسری فوج اس پر مستزاد تھی، تقریباً تین لاکھ عسکری سپاہ تھی۔ ان میں جو بیس، جنرل اور ایک امیر البحر بھی شامل تھا۔ جرمینوں نے اس چنگل سے نکلنے کی نہ توڑ کوشش کی۔ مگر ان

اب ہونا ہی علیحدہ علیحدہ ٹکڑیوں میں ہو جانے کی وجہ سے پھنس گئے تھے اتحادی ان کا صفایا بڑی بے رحمی سے کرنے لگے۔ ادھر نازیوں کی یہ گھری ہوئی ٹکڑیاں اتحادیوں کے حصار کو توڑ ڈالنے کی انتہائی کوشش کر رہی تھیں تاکہ انھیں ہتھیار نہ ڈالنا پڑے، مگر ان کے لیے شکست مقدر ہو چکی تھی۔ نازیوں کے فیلڈ مارشل موڈل نے پھنسی ہوئی سپاہ کو اجازت دے دی تھی کہ جس طرح ممکن ہو اتحادیوں کے گھیرے کو توڑ کر نکل جائیں۔ اس سے فیلڈ مارشل کا مقصد ہتھیار ڈالنے کی ذمہ داری سے بچنا تھا۔ اس کے بعد اس نے خودکشی کر لی۔

اٹھارہ اپریل کی صبح کو اس جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ روہر کا عظیم الشان علاقہ فتح ہو گیا اور بے شمار جرمن قیدی پکڑے گئے۔ فیلڈ مارشل موڈل خودکشی کر کے گرفتار ہونے کی ذلت سے بچ گیا۔ اس طرح اس پر سے ہٹلر کا عتاب بھی ٹل گیا۔ اس عظیم فتح کو دنیا نے کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی کیونکہ اس کا وہ بیان اس موقع پر روسی اور اتحادی فوجوں کے باہمی اتصال کی طرف چلا گیا تھا۔ دوسری طرف ہٹلر کی خودکشی سے آزاد دنیا خوشیاں منانے میں مصروف ہو گئی تھی۔ یہ دونوں اہم واقعات جنگ سے تنگ آئی ہوئی دنیا کے لیے اہم ترین تھے۔ حالانکہ اگر دوسرے کا صنعتی علاقہ فتح نہ ہوتا تو نازیوں کی شکست ناممکن تھی۔ کیونکہ اسلحہ ساز فیکٹریوں اور کارخانوں کی تباہی کے بعد وہ پتھپ نہ سکے تھے۔ آج کی لڑائیوں میں بھی یہی طریقہ استعمال کیا جاتا ہے بلکہ ان میں ایک

افسوس ناک اضافہ یہ کر لیا گیا ہے کہ بے گناہ شہریوں پر نازک دھند گولا باری کر کے انھیں تباہ کر دیا جاتا ہے۔ بہر حال روہر کی لڑائی کے واقعات جو کچھ بھی تھے اور جس طرح بھی وہ لڑی گئی اس کا تعلق دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ سے ضرور ہے جس کے بعد صبح امن کے آثار افق پر نمایاں ہونے لگے تھے۔ لیکن اس کے بعد دنیا میں سیاسی کشمکش کا جو دور دورہ ہوا وہ بھی ایک علیحدہ جنگ تھی جنگ خواہ وہ عالمگیر بنانے پر ہو یا کسی علاقہ تک محدود ہو اپنے خاتمہ کے بعد امن کے اور اضطراری کیفیت زیادہ پیدا کر دیتی ہے۔

روہر کی لڑائی کے اس کامیاب نتیجے نے اتحادیوں کو فتح و کامرانی سے سرشار کر دیا اور وہ اس حقیقت کو قبول کئے کہ جنگ عظیم ختم کرنے کے لیے ابھی کئی ہفت خواں باقی تھے۔ بہر حال انھوں نے ہر پہلو پر آئزن ہاور پر چھوڑ دی۔ برطانیہ نے اس جنگ میں چونکہ نقصان عظیم اٹھایا تھا اس لیے اس نے آئزن ہاور سے درخواست کی کہ دوسرے گز رکھ اب برلن اور اس کے آس پاس کے علاقہ پر حملہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر آئزن ہاور جلد جلد چھوٹی چھوٹی فتوحات حاصل کرتے ہیں زیادہ دلچسپی لے رہا تھا تاکہ امریکی فوج کی جانبیں بچی رہیں۔ حالانکہ آئزن ہاور اگر برطانیہ کے مشورہ پر عمل کر لیتا تو امریکی افواج جلد ہی برلن کو فتح کر لیتیں۔ اس کے علاوہ چیکو سلوواکیہ اور مشرقی یورپ کے دوسرے ممالک جو اب کمیونسٹوں کے قبضہ میں ہیں امریکہ کے تصرف میں آجاتے



مگر اس نے دوسری لڑائیوں کے سیاسی نتائج نظر انداز کر دیے۔  
بہر حال جو کچھ ہوا اس سے جنگ کی تاریخ کے ایک نئے باب کی ابتدا  
ہو گئی، دوہر جس کا پہلا عنوان تھا — نازیوں کی تباہی اور  
اتحادیوں کی کامیابی صرف دوہر کے علاقہ کی تفسیر کی رہیں منت ہے  
بہلہ کو بھی یقیناً اس کا اندازہ تھا اور اس کے بعد ہی وہ نوشتہ برطانوی  
دیکھنے لگا تھا۔

## روسی جنگ کے ہوشِ بواقعات

یورپ، افریقہ اور ایشیا میں دوسری عالمگیر جنگ کے دوران جو  
ہولناک واقعات پیش آئے وہ اپنے الم انگیز نتائج کی وجہ سے انسانی  
تباہی کے صفحاتِ تاریخ پر ہمیشہ ثبت رہیں گے۔ ایسے ہی درد انگیز  
واقعات روس اور جرمنی کی جنگ میں بھی پیش آئے۔ اسے ملک گیری  
کی ہوس کیے یا سیاسی حکمتِ عملی یا شامتِ اعمال کہ جرمنی نے روس  
پر بھی حملہ کر دیا تھا۔ اس طرح اس نے ایک نئی ڈرامہ شروع کر دیا تھا  
روس پر جرمنی کا حملہ یورپ کی جنگ ہی کا ایک باب ہے اسے کوئی علیحدہ  
چیز نہیں سمجھنا چاہیے۔ مگر جس طرح شروع میں تنہا برطانیہ یا فرانس کو  
جرمنی سے لڑنا پڑا تھا اور اس کی خطرناک طاقت کے مقابلہ میں ہر جگہ  
شکست کھانی پڑی تھی، یہاں تک کہ امریکہ بھی میدانِ جنگ میں کود  
پڑا، اس طرح ایک اتحادی محاذ قائم ہو گیا تھا، بالکل اسی طرح روس کو  
بھی جرمنی کے جدید سامانِ حرب اور نئی فوجی چالوں کے آگے شروع میں  
پنے درپے پسپائی اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر اسلئے نے گھبرا  
کر چرچل اور روز ویلٹ سے اصرار کرنا شروع کر دیا کہ وہ جلد ہی ایک



**Allied leaders Joseph Stalin,  
Franklin D. Roosevelt  
meet at the Tehran  
conference-1943**

پہلی قوتوں کا جنازہ نکلتا دیکھ کر اس قدر چڑچڑاہو گیا تھا کہ اپنے  
 بڑے سے بڑے مشیر تک کی بے عزتی کر کے رکھ دیتا۔ اسی بنا پر اس  
 کے اُمرا اور رفقاء میں ایک بددلی پیدا ہو گئی اور وہ اندر ہی اندر اس  
 کے بدخواہ ہو گئے اسی بددلی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک روز وہ ان کی سازش  
 سے ہلاک ہونے سے بال بال بچا۔

ہوا یہ کہ شہر مع اپنے مشیروں کے کمرہ مشاورت میں بیٹھا تھا۔  
 جس میں ایک پیش بہا گول اور بہت بڑی آبنوسی میز رکھی تھی۔ ہٹلر اور  
 اس کے مشیر گرداگرد بیٹھ ہوئے جنگ کی بدلی ہوئی صورت حال پر صلاح  
 و مشورہ کر رہے تھے۔ اتنے میں ہٹلر کا ایک مشیر خاص کرے میں داخل  
 ہوا اس کے ساتھ ایک معزز آدمی بھی تھا جس سے حاضرین میں سے کوئی  
 واقف نہ تھا۔ اس آدمی کے ہاتھ میں چوڑے کا ایک قیمتی اور خوبصورت  
 ایک تھا جیسا کہ حکومت کے بڑے لوگوں کے پاس ہوا کرتا تھا۔ ہٹلر کے  
 مشیر خاص نے اس آدمی کا شہر سے تعارف کر لیا جس کے بعد شہر نے  
 اس سے بیٹھنے کو کہا۔

کسی بڑے آدمی کی میز پر اپنی چیزیں رکھنا آداب و تہذیب کے  
 خلاف ہے اس لیے اس آدمی نے اپنا چرمی بیگ آبنوسی میز کے نیچے  
 اس کے ایک پاسے سے ٹکا کر رکھ دیا۔ پھر باتیں ہونے لگیں ہٹلر چونکہ  
 ایک اہم کافرٹن کر رہا تھا اس آدمی نے زیادہ مغل ہونا مناسب نہ  
 سمجھا اور اجازت کا طالب ہو کر کمرے سے چلا گیا۔ حاضرین صلاح

نیا محاذ کھول دیں تاکہ جرمنی اسلحہ کا بے پناہ و باڈروس پر سے کچھ کم  
 ہو جائے۔

سب سے بڑا المیہ یہ تھا کہ برطانیہ کی طرح روس کے پاس بھی پور  
 ہتھیار تک نہ تھے۔ برمشکل وہ اپنے حلیف امریکہ سے کچھ ٹینک اور  
 دوسرے اسلحہ لینے میں کامیاب ہو سکا مگر روس کے پاس ایک تو  
 اثر قدرتی ہتھیار بھی تھا جس کے آگے ویڑھ صدی قبل فاتح عالم  
 نیولین بھی ٹھہر نہ سکا تھا وہ ہتھیار روس کا موسم سرما تھا۔ اس کے  
 علاوہ مدافعت کنندگان کی ہمت اعلیٰ بھی بڑے کام آتی۔ جرات  
 پسندوں کو ہمیشہ کامیابی نہیں ہوتی۔ چنانچہ جرمنی کو بھی روس کے  
 محاذ پر عجیب و غریب نشیب و فراز سے گزرنا پڑا۔ سردی کے زمانہ  
 میں اس کی فوجوں کو روسی محاذ پر سے پسپا ہونا پڑتا اور گرمی کے  
 موسم میں وہ پھر زور لگا کر آگے بڑھ جاتیں۔ یہاں تک کہ اسٹالن گراڈ  
 تک جا پہنچیں جہاں انھوں نے تباہی مچا دی لیکن اسٹالن گراڈ والوں  
 نے ان کے دانت کھٹے کر دیے۔ اسی طرح ماسکو کی مدافعت میں بھی  
 روسی ایسی جان توڑ کر لڑے کہ نازیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ آخر  
 وہ دقت بھی آگیا کہ نازیوں کو روس میں ہر جگہ شکست کا سامنا کرنا  
 پڑا اور ۱۹۴۵ء تک انھیں ماسکو فتح کرنے کے بجائے اپنے غلیم  
 دار اسطنت برلن کے بچانے کے بھی لالے پڑ گئے۔  
 اب نازیوں پر بُرا وقت آگیا تھا۔ ہٹلر اپنے بلند بانگ و دعویٰ اور

سہرہ راہ چرچل سے۔ متذکرہ بالا ہم کا واقعہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھا مگر ہٹلر ہم کے حادثہ سے بچ گیا اور اس کی آنکھیں کھل گئیں کہ اس کے مخالفین پیدا ہو چکے ہیں جو کسی وقت بھی اس کی جان کے خواہاں ہو سکتے ہیں۔ البتہ اس بات سے اسے قدرے اطمینان تھا کہ بالٹیکوں کے مقابلہ میں اگر امریکہ اور برطانیہ سے معاہدہ ہو جائے گا تو اچھا رہے گا ثابت ہوتا ہے کہ نازیوں کی افواج کے دم خم اب بھل چکے تھے۔ (ادھر امریکہ اور برطانیہ بھی اس فکر میں تھے کہ جتنی جلد ممکن ہو اتحادی روسیوں سے پہلے برلن یا اس کے فوج میں جا پھیں اور فوجی برتری کے ذریعہ اپنا اثر و تسلط حاصل کر لیں، دوسری جانب روسی جنرل بھی جلد از جلد جرمنی کی سرزمین میں پہنچ کر وہاں اپنا قبضہ جمالینا چاہتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے دریائے والگا پر لڑنے والی افواج کا رخ برلن کی جانب کر دیا تھا۔ مغرب نازی طاقت میں جمبول پڑتے ہی امریکہ، برطانیہ اور روس کی منزل مقصود برلن ہو گیا تھا۔ روس نے شمالی محاذ پر اپنی فوجیں جمع کرنی شروع کر دی تھیں آخر وہ ایک روز دریائے لائیکا تک جنگ کرتی ہوئی جا پھیں، مارشل زکوف فوجوں کے معاینہ کو آیا اور اس نے حملہ کا حکم دے دیا۔ دریائے لائیکا کا کنارہ جرمنی کی پہلی دفاعی لائن تھی۔ یہاں روسیوں اور جرمنوں کے درمیان سخت جنگ ہوئی جس میں ٹینک اور ہوائی جہاز بھی آزادی سے استعمال کیے گئے۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے بڑا بڑا برساتی رہیں۔

مشورے میں عموماً اس لیے کوئی یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ آدمی اپنا چرمی بیگ یہیں جمبول کر یا چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ ابھی اس کو کمرے سے گئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ میز کے نیچے ایک بلاکا دھماکا ہوا۔ دھماکا اس قدر طاقت ور تھا کہ اتنی بڑی آبنوسی میز فرش سے اڑ کر چھت سے جا لگی۔ اس سے چھت میں ایک بڑا سوراخ پیدا ہو گیا۔ میز کے پر نیچے اڑ گئے اور چرمی بیگ کے قریب بیٹھے ہوئے لوگ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ خود ہٹلر کے اوپر چھت کا ملبہ گرا۔ میز کے بعض ٹکڑے اس کے جسم سے بھی ٹکرائے جس کی وجہ سے وہ شدید زخمی ہو گیا اور اس کے جسم سے خون بہنے لگا۔ بہر حال ہٹلر مرنے سے بال بال بچ گیا۔ اس کے بعد اس کے کئی آدمیوں کو پھانسی پر لٹکا دیا جن میں سے بیشتر بے قصور تھے، ان کا اس سازش سے کوئی تعلق نہ تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ ہٹلر کے چند بااثر رفقا اسے ختم کر کے جرمنی میں ایک نئی حکومت بنانا چاہتے تھے جس کا اوّلین کام یہ ہونا کہ ایک طرف تو امریکہ سے صلح کر لی جاتی دوسری جانب برطانیہ سے تاکران کے محاذوں پر الجھی ہوئی جرمن فوجوں کو وہاں سے ہٹا کر روس کی برلن کی جانب ہونے والی پیش قدمی کو نہ صرف روک دیا جاتا بلکہ روسیوں کو جرمنی سے بالکل نکال دیا جاتا۔ لہذا اس کے متعلق امریکہ اور برطانیہ سے الگ الگ سلسلہ جنباقی شروع ہو گئی تھی اور ہٹلر کے مخالفین ایلن ڈیلس کے تحقیر محکمہ کی معرفت امریکہ سے بات چیت کر رہے تھے اور ایک سوڈش بینک کے ذریعہ برطانیہ کے

## میگ نیوز کا طلسمی پل

میگ نیوز کے پل پر قبضہ کرنے کے لیے روسیوں کو نازیوں سے سخت جنگ کرنی پڑی۔ کیونکہ اس پل کو پار کر لینے پر ہی روسی افواج کی پیش قدمی کا دار و مدار تھا۔ یہ پل نازیوں نے کچھ اس قسم کا بنایا تھا کہ بیچ سے اس کے دو ٹکڑے بھی ہو جاتے۔ پھر انھیں باہم جوڑ بھی دیا جاتا۔ اس طرح اس پر سے گزر کر اسے پار کرنا مشکل بھی تھا اور آسان بھی۔ اس جگہ نازیوں کی خاصی بڑی فوج متعین تھی۔ اس کے ساتھ ہی ٹینکوں کے دو ڈویژن اور دو ڈویژن ان فیلڈی بھی تھی۔ اس کے علاوہ ایک پنزر ڈویژن بھی تھا جس کے برعکس روسیوں کے پاس مغربی ساحل کی جانب ڈینک کا صرف ایک بریگیڈ اور صرف تین زعمیں تھیں۔ مغربی نازیوں نے اس پل کے علاقہ سے روسیوں کو پیچھے دھکیلنے کے لیے بڑی تیاری کر رکھی تھی۔ روسیوں کے پاس پل کو عبور کرنے کا سامان بھی نہ تھا۔ انھوں نے دریا کی ایک جانب سے ایک عارضی پل بنانے کی کوشش بھی کی مگر وہ کامیاب نہ رہی کیونکہ جرمنوں کے ہوائی جہاز روسیوں کے سروں پر مسلسل پرواز کر رہے تھے۔ آخر خدا خدا کر کے کہیں پانچ بجے شام تک روسیوں نے ایک عارضی پل بنالیا مگر اس پر سے فوج اور

روسی فوج میں وہ تجربہ کار جنرل اور سپاہی بھی شامل تھے جو اساتذہ گراؤ اور دریائے وانگا کے اہم محاذوں پر لڑ چکے تھے۔ انھوں نے نازیوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ صبح سے شام تک کی جنگ میں طرفین کے سپیکروں آدمی مارے گئے۔ آخر نازیوں کی پہلی دفاعی لائن ٹوٹ گئی اور روسی فوجیں یلغار کر کے آگے بڑھ گئیں۔ اس لڑائی میں نازیوں کے جو جنگی قیدی پکڑے گئے ان سے معلوم ہوا کہ انھیں روس کے اس حملہ کی توقع نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ ان کا یہ خیال تھا کہ روسی فوج اس طرف معمولی سا دباؤ ڈالے گی مگر وہاں معاملہ اس کے برعکس نکلا۔ یہ بات بھی نازیوں میں پھیلی ہوئی بددلی پر دلالت کرتی ہے۔ بہر حال نازیوں نے تازہ دم فوج جمع کی اور روسیوں پر جوابی حملہ کیا۔ یہ اس قدر شدید لڑائی تھی کہ تمام رات جاری رہی۔ آدمیوں اور ٹینکوں کا صفایا ہو گیا۔ آخر دو کا صبح تک دس کلو میٹر تک آگے بڑھ گئے۔



Hitler's last public appearance

سلمان گزور سکے، لیکن یہ جی بٹشکل دو گھنٹے ہی قائم رہا۔ نازیوں کے ہوائی جہازوں نے اسے توڑ پھوڑ ڈالا۔ پولینڈ والوں کی توپوں نے جرمینوں کے ہوائی جہازوں پر مسلسل گولے پھینکے مگر انھیں شدید نقصان اٹھانا پڑا اس کے ساتھ ہی نازیوں کے ہوائی حملہ نے بھی شدت اختیار کر لی۔ دریا کے ایک ساحل سے جرمنی کا پنزر ڈویژن حملہ کر رہا تھا، دوسرے گوشے سے دوسرا ڈویژن اور درمیان کے علاقہ میں سترواں ڈویژن موجود تھا۔ اس طرح روسی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ بہر حال ان کی کچھ کمک آ گئی اور شام تک روسی جہنیشیں جبل کے سرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئیں۔ روسی فوج کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ ہر قیمت پر آگے بڑھتی رہے چھپے بٹھنے میں اس کے لیے تباہی ہے۔ اس مقام پر ٹینکوں کی ایک زبردست لڑائی ہوئی۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ بہت اہم محاذ تھا اور یہاں سے جو فوجی دستہ پسپا ہوگا پھر سنبھل نہ سکے گا۔ فولاد کی فولاؤ سے ٹکراتی دونوں طرف سے بہت سے ٹینک تباہ ہوئے اور ان کے ٹکڑوں کی وجہ سے زمین کے بے شمار فوجی پس پس کر قریہ ہو گئے۔ مرنے والوں کی تعداد کافی تھی۔ ٹینک شکن توپوں کے منہ کھلے ہوئے تھے جن کے گولوں سے فولادی ٹینک خشک لکڑی کی طرح جلنے لگتے تھے۔ ٹینکوں کے قبرناک گولے جس چیز پر لگتے اس کے ٹکڑے اڑا دیتے تھے۔ ٹینکوں اور توپوں کی چٹکاڑ سے کھجے دہنے لگتے تھے۔ قیامت کا منظر تھا انسانوں کے جسم ٹکڑے ہو کر ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔

جرمنوں نے پے درپے پھدھلے کیے جن میں دو طرف کے بہت سے آدمی مارے گئے مگر وہ ان چھڑیوں کے باوجود روسی دفاعی لائن کو توڑ سکے۔ آخر انھوں نے بڑی شدت سے ساتواں حملہ کیا اور اپنے ٹینک چین روسی فوج کے سر پر لے آئے۔ اب تو یہ حالت تھی کہ خودکشی کے طور پر سپاہی دستی گولے ہاتھوں میں لے کر ٹینکوں کے نیچے رکھ دیتے۔ اور ان کے ساتھ خود بھی اڑ جاتے تھے۔ اسی آئنا میں روسیوں کو پھر تھوڑی سی کمک مل گئی۔ الفرض شام تک میسیوں ٹینکوں کا صفایا ہو گیا جن میں نازیوں کے ٹینکوں کی تعداد زیادہ بتائی گئی ہے۔ اب نازیوں کی فضا نیربے کار ہونے لگی تھی کیونکہ زمین پر سے طیارہ شکن توپوں نے انھیں نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا۔ ان توپوں کو بھی جرمن فضا بیہ نے نیچے پرواز کر کے کافی نقصان پہنچایا تھا۔ بہر حال دس اگست کی صبح تک روسیوں نے دو ادھر پہلی اڑا دیے۔ مجبوراً نازیوں کو اس علاقہ میں ہر جگہ اپنا ہوائی حملہ روک دینا پڑا۔ نقصان دونوں طرف کا ہو رہا تھا اور فائدہ کسی کو نہ پہنچ رہا تھا۔ البتہ نازیوں کے رک جانے سے روسیوں نے فائدہ اٹھایا اور بیگ نیوز کے طلسمی پل پر قبضہ کر لیا۔

یہ روسیوں کی پہلی بڑی پیش قدمی تھی جس کے بعد وہ دشمن کے علاقہ میں پھیلنے لگے اور روسی انجینیئروں نے گولیوں اور بموں کی بارش میں مرگہ کر راستہ بنالیا تاکہ فوج مغربی کنارے تک مع اپنے سازو سامان کے پہنچ سکے۔ یہ بڑا کارنامہ تھا۔ اس سے روسیوں کے لیے

## عام حملہ کی تیاری

روسی فوج کے ڈاؤ اور یلغار سے ہٹلر کے ڈسٹنڈرپچی اب اس اعتراف پر مجبور ہو گئے تھے کہ مشرق میں جو علاقے ان کے ہاتھ سے نکل گئے تھے ان کے ناموں کا اعلان کر دیں۔ مگر روسیوں کو ابھی آگے بڑھنے کی جلدی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے جن جن مقامات پر قبضہ کیا تھا انھیں مضبوط بنانا تھا۔ مشرکین تعمیر کرتی تھیں ہزاروں مشینیں اندھن فراہم کرنا تھا اور لاکھوں چھوٹی توپیں گولے اور بم اکٹھے کرنے تھے۔ اس کے علاوہ کروڑوں کارتوس دینا کرنے تھے۔ ان سب باتوں کے لیے ایک رقم خلیفہ اور وقت کی ضرورت تھی اور اس وقت سے فائدہ اٹھا کر ہٹلر کی فوجوں نے جو اپنی کارروائی کر دی تو اس سے بھی نمٹنا تھا۔ اس خطرے کے پیش نظر دشمن کی عقبی لائن کے قریب کچھ فوج اتارنا ضروری تھا جس کا یہ کام ہوتا کہ شب و روز دشمن کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے۔

نپولین نے جب روس پر حملہ کیا تھا تو برازیلیا سے ماسکو تک پہنچنے میں اس کے آٹھ ہفتے لگے تھے جو بڑی تیز رفتاری تھی اور جب نپولین کی فوجیں پکپا ہوئی تھیں تو اپنے اصل مقام تک پہنچنے میں ان کے پانچ ہفتے صرف

مزید پیش قدمی کی راہیں کھل گئی تھیں۔ پھر روسیوں کے قبضہ میں دو پٹی اور آگے جن سے گزروہ نازیوں کے علاقہ میں زیادہ آگے تک بڑھ گئے۔ قدم قدم پر انھیں خوریز لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ پھر بھی روسیوں کے قدم جرمین علاقہ میں جتے رہے اور نازیوں کی تدبیریں الٹی ہوتی رہیں۔

روسیوں کی اس کامیاب پیش قدمی سے یورپ کی اس جنگ پر کافی اثر پڑا۔ یہاں تک کہ ناپولین کے اخبار "میشنل زونگ" کو اپنی آٹھ جولائی ۱۹۴۴ء میں لکھنا پڑا کہ روسیوں کی پیش قدمی شہر ناک صورت اختیار کر رہی ہے۔ کیا یہ سمجھا جائے کہ امریکہ اور برطانیہ جیسے سرمایہ دارانہ نظام والے ملک اس جنگ میں بالمشوکیوں کے ہاتھ مضبوط کر کے روسیوں کو مشرقی یورپ پر مسلط ہونے کا موقع دے رہے ہیں۔ روسی اثریوں کے لیے بڑا خطرناک ثابت ہوگا۔

اس بات کو امریکہ اور برطانیہ بھی محسوس کر رہے تھے مگر جنگ کی حالت میں اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ سیاسی جوڑ توڑ سے کام لیا جاتا۔ نازیوں نے جس چیز کی ابتدا کی تھی اس کی انتہا اب کچھ زیادہ دور نہ تھی۔

ہوئے تھے۔ مگر شہر کی فوجوں کو میسر سے والٹا تک پہنچنے میں دو موسم گرما کی مدت درکار ہوئی اور جب انھیں پسپا کیا گیا تو نصف مدت میں پیچھے ہٹ آئیں جس کے برعکس روسی فوجوں کی پیش قدمی بہت تیز رہی وہ چوبیس گھنٹے میں پندرہ سے بیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کر لیتی تھیں۔ اسی وجہ سے نازی حواس باختہ سے ہو گئے تھے۔ مگر اب روسیوں نے اپنی پیش قدمی سست کر دی تھی اور ۱۹۴۵ء کے اوائل تک تو ان کی پیش قدمی برائے نام ہی رہ گئی یہ سب کچھ روسی بانی کمان کے فیصلہ کے مطابق ہو رہا تھا جس کی جو کچھ بھی وجہ تھی، اس کو روسیوں نے سب سے پوشیدہ رکھا لیکن ان کی نظر برابر نازیوں کی نقل و حرکت پر لگی رہی جن کا یہ روزانہ کا وسیلہ تھا کہ نصف شب کو اپنی پچھلی دفاعی لائن کے آدھوں کو آگے لے آتے اور اگلی لائن کی سپاہ کو پیچھے کر دیتے تاکہ اگلی لائن والوں کو آرام کرنے کا کچھ وقفہ مل جائے۔ صبح ہوتے ہوئے پوزیشن واپس بدل دی جاتی۔

نازیوں کی اس نقل و حرکت سے روسیوں نے فائدہ اٹھایا اور ایک دھڑ جیب نازیوں کی ٹھکی ہوئی اگلی دفاعی فوج رات کو اپنی پوزیشن بدل رہی تھی تو روسیوں نے ایک تیز حملہ کر دیا۔ مگر وہ کارگر ثابت نہ ہوا کیونکہ نازیوں نے بڑی سرعت سے اپنی اگلی صف میں کمک بھیج دی۔

غرض شب و روز یہی جوتا رہتا۔ دونوں طرف کے آدمی مارے جاتے اور روسی تھوڑا سا آگے بڑھ جاتے۔ مشرقی محاذ کے یہ حالات تھے، ادھر مغربی محاذ پر روسیوں کے اتحادی یعنی امریکہ اور برطانیہ

ڑتے بھڑتے دریائے رائن تک جا پہنچے تھے اور ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ اب نازیوں میں جان باقی نہیں رہی، لیکن یکا یک سولہ دسمبر ۱۹۴۴ء کو انھوں نے ایک بڑا حملہ کر کے اتحادیوں کی صفوں میں شگاف ڈال دیا اور مرتے گرتے مغرب کی جانب پیش قدمی کرنے لگے۔

نیم برگ میں جب نازیوں کے چوٹی کے افسروں پر مقدمہ چلایا گیا تو گورنگ نے انکشاف کیا تھا کہ پوری جنگ کا پلان انزابتھاتا تھا خود ہٹلر ہی نے بنایا تھا۔ اس نے پوشیدہ طور پر پلان کے مطابق یہ طے کیا تھا کہ وہ لگے محاذ کو کھینچتا ہوا اہم ترین مقامات تک بڑھ جائے گا۔ پھر انیٹ ورپ پر جو برطانیہ کی سپلائی لائن کا اہم مرکز تھا، قبضہ کر کے اتحادیوں کے رسل و رسائل کا سلسلہ کاٹ دے گا اس کے بعد سمندر کی جانب اتحادیوں کی جہی ہوئی افواج کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اس مہم کے لیے اس نے فیلڈ مارشل وان رنٹیٹ کا انتخاب کیا تھا اور اس میں تین ہزار ہوائی جہاز، ایک ہزار ٹینک اور تین لاکھ فوج کو حصہ لینا تھا۔ اتحادی نازیوں کے ایسے کسی بڑے حملہ کی توقع نہ کر رہے تھے کیونکہ ایک تو موسم بہت خراب تھا، دوسرے حملہ کی مہم میں تاخیر سب واقع ہوئی تھی اور ادھر کچھ دنوں سے نازیوں کے بڑھنے کی رفتار بھی بہت سست ہو گئی تھی مگر ایک روز یک بار گلی انھوں نے شدید حملہ کر کے ایسی پیش قدمی کی کہ وہ ستر کلومیٹر تک بڑھ آئے۔ اسی پیش قدمی سے گھبرا کر جبر پل نے چھ جنوری ۱۹۴۵ء کو اسٹالن کو ایک

نہ لکھا جس کا متن یہ تھا۔

”مغربی محاذ کی حالت بڑی خراب ہو گئی ہے اس لیے بہت جلد اعلیٰ کمان کو فیصلہ کرنا ہے کہ اتنے طویل محاذ کا کیا انصرام کیا جائے۔ آپ کا اپنا تجربہ بھی ہوگا کہ ایسے اہم مواقع چھٹنے جلد ضروری اقدامات کیے جائیں بہتر ہیں۔ اس لیے جنرل آئزن ہاؤ کی خواہش ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس نازک مسئلہ پر آپ کا خیال اور تجاویز معلوم کروں کہ آیا اس محاذ پر کسی دوسرے محاذ پر آپ کی مدد کی توقع کر سکتے ہیں۔ آپ کے جواب کو اتنا ہی راز میں رکھا جائے گا اور سولے جنرل آئزن ہاؤ کے اس کا کسی سے ذکر نہیں کیا جائے گا“ رچرچل کا نام مخفی رکھا گیا تھا۔

اس خط کو پڑھنے کے بعد روسیوں کو اپنا وہ مصیبت کا زائیداد آگیا جب کہ ۱۹۴۱ء میں نازی حملہ آوروں نے روسی سرزمین کو روند کر رکھ دیا تھا مگر اس وقت رچرچل اور آئزن ہاؤ نے دم نہ ہارنا تھا اور نازیوں کے ہاتھوں ان کی دگرگت کا تماشہ دیکھتے رہے تھے۔ اب جبکہ برطانیہ اور امریکہ پر وقت آچرا تو وہ ڈھٹائی سے روس کی امداد طلب کر رہے تھے۔ بہر حال اسٹالن نے دوسرے ہی روز یعنی سات جنوری کو اتحادیوں کو اس خط کا جواب روانہ کر دیا۔ جس کا ٹیٹل ”بیک بہ تھا کہ روسی افواج اپنے اتحادیوں کی یعنی امریکہ اور برطانیہ کی مدد

کر سکتی ہیں اور سولہ کے وسیع اور مرکزی محاذ پر وسط جنوری تک وہ ایک نورد اور حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں

چنانچہ اسٹالن نے اپنا وعدہ ایسا کیا اور باوجود خراب موسم ہونے کے دس ہزار بندرتوں کی ٹاپوں کا رخ جرمینوں کی دفاعی لائن کی جانب کر دیا۔ اسی طرح سینکڑوں ٹینکوں کو تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا۔ اب فدا موسم بہتر ہونے کا انتظار تھا اور دشمن کی خندتوں تک راستے کو بارودی سرنگوں سے صاف کرنے کا مرحلہ باقی تھا۔ صبح تک یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد ایک بار ٹاپوں کے منہ کھول دیئے گئے تاکہ دے دیا گیا جس سے زمین لرز اٹھی۔ بس اب روسی فوج کو آگے کی طرف قدم اٹھانا تھا۔ دشمن کے مورچوں تک پہنچنا پھر اس کا صفایا کرنا بڑا جان جو حکم کا کام ہوتا ہے، اس میں پوری قوت اور مہارت صرف کرنی پڑتی ہے۔ بہر حال جنوری کی چودہ تاریخ کے حملے میں فوجی ساز و سامان اور سپاہ کے باب میں روسیوں کو بالادستی حاصل تھی۔ بہر سپاہی مرنے اور مارنے کو تیار تھا۔ لیکن فتح حاصل کرنے کے لیے تنہا فوجی برتری ہی کافی نہیں ہوتی، اس کے لیے طریقہ جنگ اور مہارت کی زیادہ ضرورت ہے جس میں دایم تزویر اور دشمن کو دھوکا دینا بھی شامل ہے۔ لہذا آٹھ بجے تک جب کہ فدا کم ہوئی تو روسی توپیں اور ٹینک آگ برساتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ اور کافی کشت و خون کے بعد انھوں نے ٹاپوں کے اگلے مورچوں کا صفایا کر دیا۔ جس کے تھوڑی ہی دیر



بعد اس کے پھیلے مورچے بھی روس والوں کے قبضہ میں آ گئے۔ لیکن ابھی اس مورچہ پر روسیوں کا پورا قبضہ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ جرمن ایک تازہ فوج اور ٹینک لے آئے اس فوج کے اثر کو زائل کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا یعنی اس پر ہوائی حملہ کیا جائے مگر موسم کی خرابی کی وجہ سے یہ ممکن نہ رہا تھا۔ جرمنوں نے آتے ہی روسیوں کے دائیں بازو پر اتنا شدید باؤڈالا کردہ ان کے دونوں مورچوں کے درمیان پھنس کر رہ گئے۔ اٹنے یعنی کے دینے پڑ گئے اور یہ نظر آنے لگا کہ روسیوں کی اب تک کی کامیابی خاک میں ملنے والی ہے مگر رات آگئی اور تاریکی کی وجہ سے لڑائی بدھم پڑ گئی۔

روسیوں نے راتوں رات اپنی پھنسی ہوئی فوج کو نکال لیا اور صبح ہونے سے پہلے پھر جرمنوں پر توپوں اور ٹینکوں سے حملہ کر دیا۔ اس سے نازیوں کو اپنے تیسرے مورچے بھی ہاتھ دھونا پڑا اور وہ ریلوے لائن کی طرف پسپا ہونے لگے۔ ریلوے اسٹیشن تک پہنچ کر انھوں نے اس سے مورچہ کا کام لیا اور روسیوں پر توپوں کا منہ کھول دیا۔ جس سے بہت سے فوجی کام آ گئے۔ اور روسیوں کی پیش قدمی بظاہر رک گئی۔ مگر روسیوں نے جلد ہی پوزیشن بدل کر ٹینکوں اور جھوٹی توپوں سے پھر شدید حملہ کر دیا۔ یہ لڑائی تقریباً چار گھنٹے تک جاری رہی۔ جس میں بہت سے فوجی کام آئے۔ بہنوکار روسیوں نے ریلوے لائن پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح روسیوں کی یہ پیش قدمی مکمل ہو گئی۔

سترہ جنوری ۱۹۴۵ء کی شام کو روسیوں نے نازیوں کی مواصلاتی لائن کا رخ کیا اس تک پہنچنا آسان کام نہ تھا مگر وہ لڑتے بھڑکتے پہنچ ہی گئے۔ ایک بڑی شرک وارسا سے برلن تک جاتی تھی جس کو جرمن فوجی نقل و حرکت کے لیے شروع سے استعمال کر رہے تھے۔ اس شرک پر قبضہ کے بعد روسی فوج کو اپنی نقل و حرکت میں بڑی آسانی پیدا ہو گئی اور وہ کہیں بلکی اور کہیں شدید جھڑپیں کرتے ہوئے چھوٹے اور بڑے قصبات تک جا پہنچے۔ اس سلسلے کی ایک بڑی جھڑپ میں روسی نامور جنرل وین ریب شدید زخمی ہو گیا۔ اس نے شالنگراؤ کی جنگ میں بڑے کارنامے دکھائے تھے اور والٹا کی جنگ کا ہیرو بھی سی تھا۔ اس کے زخمی ہو جانے کا تمام افسروں کو رنج ہوا تھا۔ بہر حال زخم کاری نہ تھا اس لیے جانبر ہو گیا۔



**Soviet artillery fires on Berlin in April, 1945.**

## برلن کی طرف

اب ایک سمت سے امریکہ و برطانیہ، دوسری طرف سے روسی فوجیں جرمنی کی سرحد میں داخل ہو چکی تھیں مگر ابھی منزل مقصود دور تھی۔ نازی ایک ایک ایچ زمین کے لیے سخت مزاحمت کر رہے تھے اور اتحادیوں کے پیچھے ایک دو مقامات پر کھڑے تھے۔ مگر جو منی چونکہ ہر سمت سے گھر چکا تھا اس لیے اس کے ہوائی حملے زیادہ کامیاب نہ رہے۔ نازی امریکہ اور برطانیہ کو تو گوارا کرتے مگر روسیوں کو وہ مطلق پسند نہ کرتے تھے ماسی لیے اب زیادہ گراں گری روسیوں کے حماد ہی پر ہو گئی تھی جو مرتے کھٹے آہستہ آہستہ جرمنی کی سر زمین میں بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ کبھی ان کی پیش قدمی زیادہ تیز ہو جاتی، کبھی آہستہ اور گاہے رُک بھی جاتی تھی لیکن وہ سب کچھ تادم بڑھانے لگتے۔ مختصراً سارے اتحادیوں کا رخ برلن کی طرف تھا۔ جرمنوں کو مزاحمت کے سلسلہ میں کافی جانی نقصان اٹھانا پڑ رہا تھا اور اتحادی بھی محفوظ نہ تھے۔ انہیں بھی پیش قدمی کی بڑی قیمت ادا کرنا پڑ رہی تھی۔ آخر مشرقی حماد پر لڑتے لڑتے روسیوں کے مقابلہ میں نازیوں کی

عداوت کم ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ پندرہ اپریل ۱۹۴۵ تک روسی اور نازی فوج درج ذیل اعداد شمار تک پہنچ گئی۔

روس	جرمنی
۱۹۲	۸۵
۲۵۰۰۰۰	۱۰۰۰۰۰
۴۱۰۰۰	۱۰۰۰۰
۶۲۵۰	۱۵۰۰
۷۵۰۰	۳۳۰۰

ان فوجی اعداد و شمار کو دیکھتے ہوئے روسی ساز و سامان اور فوج کا پتہ بہت بھاری ہو گیا تھا اور اس کا اتنی کثیر تعداد کے ساتھ برلن کی طرف بڑھنا یقیناً نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا تھا۔

روسیوں کے بیان کے مطابق انھوں نے نازی ڈویژن نمبر تین سو تین کے ایک افسر کو گرفتار کیا جس نے بتایا کہ جرمنی دو تین ہفتہ میں ختم ہو جائے گا۔ اس میں سے ایک ہفتہ برلن تک پہنچنے میں لگ جائے گا کیونکہ برلن نازیوں کا نہایت مضبوط گڑھ ہے اسے فتح کرنے کے لیے آٹھ دس روز کی مدت ہوگی۔ پس اس کے بعد ہٹلر کا خاتمہ ہے۔

بہر حال اب نازیوں کے حملے رُک کے ہوئے تھے اس میں یہ فوجی مصیبت بھی شامل تھی کہ روسی حملے کے خوف و ہراس میں ہٹلر ہیں اور ان کا مورل زبردست چلائے۔ یہاں تک کہ ایک دن جرمن ان پر اچانک حملہ کر کے ان کی

صفوں میں اتہری مجاہدیں۔ اسی لیے نازیوں نے شب و روز کی کوشش سے برلن کے دفاع کا سامان کیا مگر یہ صورت حال زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ اتحادی یعنی امریکہ، برطانیہ اور روس برابر بڑھتے چلے آ رہے تھے اور ان سب کا رخ برلن کی ہی طرف تھا۔ اسی سبب سے نازیوں کو اپنی دفاعی تیاریوں کے ساتھ ساتھ اتحادیوں کی پیش قدمی روکنے میں بھی جان اور وقت صرف کرنا پڑ رہا تھا۔

اسی دوران مارشل زکوف روسی فوجوں کے مہمانہ کے لیے آیا اور فوجیوں نے قومی پرچم ہاتھ میں لے کر عہد کیا کہ امریکا میں گئے مگر قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے اس کے بعد روس کی نمبر آٹھ گارڈ آرمی نے جرمینوں کے ایک مورچہ پر حملہ کیا اور خاصی خونریزی کے بعد اس کو توڑ کر آگے نکل گئے۔ اب گوبارڈوئی رات دن کا معمول ہو چکی تھی کہیں بڑے حملے ہوتے تھے اور کہا جے جھڑپیں ہوتے گتیں۔ ہر گوشہ میدان جنگ بنا ہوا تھا۔ اکیس اپریل تک روسی فوجیں برنو وغیرہ کے علاقوں سے نکل کر برلن کی شہر کے قریب جا پہنچیں۔ برلن کا جنوبی سوادان کے سامنے تھا اور چند نوٹ برلن میں داخل بھی ہو گئے تھے جس کے بعد شہر کوں پر چھوٹی موٹی لڑائیاں ہونے لگیں مگر برلن کا قلب ابھی کافی دور تھا اس ملک پہنچنے کے لیے بہت سی جانی قربان کرنا تھیں اور یوکرین رجمنٹ کو جنوب مشرق سے ہٹا کر آگے بڑھانا تھا۔ اس سے برلن کی تیسر زیادہ دشواری رہی۔ ۱۸۱۳ء میں جب روسی پولینڈ کی کچی کھیتی جو کھ کا تعاقب کر رہے

تھے تو انھوں نے برلن پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اب شہر کی فضا نیت روس کو برلن پر قبضہ کرنے کی دعوت دے رہی تھی۔ بہر حال اپریل ۱۹۴۵ء کے اختتام تک روسی افواج برلن جا پہنچیں مگر اسے فتح کرنا بڑا دشوار کام تھا کیونکہ شہر کسی شہر کا نام نہ تھا بلکہ ایک زبردست فوجی مضبوط قلعہ تھا۔ اس کی لاتعداد دود مار توپیں روسیوں پر آگ برسا رہی تھیں اس کی سنگین عمارتیں ایک سو تیرہ زیر زمین ریلوے اسٹیشن روسیوں فولادی تعمیرات نازیت کی زبردست پناہ گاہیں تھیں۔ شہر کی امپریل چانسلری ایک فولادی قلعہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ نتیجے میں برلن کی دیواروں تک روسی فوجوں کے پہنچنے کے وقت یہ بھی اس علاقہ کی کوئی عمارت صحیح و سلامت رہ نہ گئی ہوگی کیونکہ مہمانہ اور امریکہ نے ہم برسا کر اسے پھینک کر ڈالا تھا۔ غرض پچیس اپریل ۱۹۴۵ء کو روسیوں نے برلن کی باقاعدہ جنگ شروع کر دی اور مع اپنے تمام ساز و سامان کے بڑھ آئے۔ اس کے بعد ایک بارگی توپوں کی گرج سے زمین ہلنے لگی۔ بڑی بڑی مضبوط عمارتیں ریت کی دیوار طرح بیٹھنے لگیں اور شہر میں جیسے بھونچال آ گیا۔ تمام رات دونوں فوجوں سے شدید گولاباری ہوتی رہی اور صبح تک مرنے والوں کی تعداد ہزارہ لگانا مشکل ہو گیا۔ عمارتوں کے ٹپے، لاشوں کے دھیرہ ہر طرف بکھریں کی آہ و بکا، دھواں، آگ اور گولوں کی بوچھاڑ، کیسا لرزہ خیز

الحال تھا۔

ملک زندہ و سلامت ہے۔ یہ واقعہ دوشنبہ ۱۹۴۵ء تک ہے۔ اس سے چند روز پہلے گوبل اور بورمین نے مل کر انتہائی کوشش کی تھی کہ اتحادیوں کے درمیان پھوٹ پڑ جائے۔ اس میں ہٹلر کا مشورہ بھی شامل تھا۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تھا کہ بالٹک ویکوں کو جرمنی کی سرزمین سے کسی نہ کسی طرح نکال باہر کیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ ہٹلر کی موت سے چند روز پہلے اس کے ساتھیوں نے امریکہ، برطانیہ اور جرمنی کے درمیان ایک معاہدہ کا مسودہ تیار کیا تھا۔ مگر وہ بے کار تھا کیونکہ اس پر اتحادیوں کے اگر تیسرے ساتھی یعنی روسیوں کے دستخط نہ ہوتے تو اس کی کوئی قیمت نہ تھی۔

بہر حال برلن کی تسخیر کے دو فزوق تھے۔ ایک امریکہ اور برطانیہ، دوسرے روس۔ روسی ہائی کمان نے پچیس اپریل کو حکم جاری کیا تھا کہ نازیوں کی شدید مزاحمت کے باوجود برلن کو فتح کرنے کے لیے جو پیش قدمی کی گئی ہے اس کا سلسلہ برابر جاری رکھا جائے، اس میں مطلق قنصل پیدا ہو چنانچہ روسیوں کے آنکھوں آرمی گارڈ نے مزید بینکوں اور گوبل سے برلن کی اینٹ سے اینٹ بجانی شروع کر دی۔ کسی شہ میں داخل ہونے کے بعد مسلسل حملہ جاری رکھنا دشوار ہو جاتا ہے کیونکہ شریکین اور عمارتیں جنگی ساز و سامان کی نقل و حرکت میں ممانع ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی خطرہ رہتا ہے کہ کسی عمارت یا ترخانوں میں دشمن چھپا ہوا بیٹھا ہو اور موقع پاتے ہی حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے۔ برلن میں بھی

اس تباہی کے ہنگام ہٹلر کی یہ کوششیں مسلسل جاری رہیں کہ چرچل اور ٹرومین سے ایک سمجھوتہ ہو جائے جس کے تحت برطانیہ، امریکہ اور جرمنی تینوں مل کر بالٹک ویکوں کو جرمنی کی سرزمین سے نکال دیں۔ یہ صرف قیاس نہیں ہے بلکہ ایک حقیقت ہے۔

برسبیل تذکرہ ہٹلر کی موت کے معنی پر چند سطور لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کیونکہ اب تک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی ہٹلر نے خودکشی کی تھی اور اس کی لاش منوں پٹرول چھڑکنے کے بعد اس کے ڈرائیو نے جلادی تھی۔ روسی اس سوال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ برلن کے بعد سب سے پہلے ہٹلر کی چانسلری میں داخل ہوئے تھے اس بنا پر فزوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ہٹلر اور اس کی محبوبہ ایوا براؤن نے ایک ساتھ خودکشی کی تھی اور ہٹلر کی لاش ایک قالین میں لیٹی ہوئی اڑتالیس گھنٹے تک جلتی رہی تھی۔ نو دوسویوں نے ہٹلر کی لاش کا خاکستہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ہٹلر کے شو فریکہ کا کہنا ہے کہ اس نے ہٹلر کی وصیت کے مطابق اس کی لاش پر سینکڑوں ٹن پٹرول چھڑک کر آگ لگائی تھی۔ اس کا یہ بیان تو درست ہے مگر یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ بورمین ایک ٹینک کے نیچے چھپ گیا تھا۔ ممکن ہے کہ بعد میں بورمین نے پلاٹرسر جی کے ذریعہ اپنا علیحدہ بدل ڈالا ہو اور اب وہ کسی جعلی نام سے یورپ میں چھپا ہوا ہو۔

مگر اس واقعہ کو آج پچیس سال گزر گئے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ بورمین اب

یہی ہوا۔ روسی شہر میں بڑھنے لگے تو گلی کوچوں اور عمارتوں کے اندر چھپے ہوئے نازیوں نے ان پر آگ برسانی شروع کر دی۔ اس سے بڑھتی ہوئی فوج کے بہت سے آدمی کام آگئے۔ ایک عورت اپنی ننھی سی بچی کو گود میں اٹھا کر جان بچانے کے لیے بھاگ رہی تھی مگر اندھا دھند گولیوں کی بارش سے کون بچ سکتا تھا۔ کسی سپاہی کی گولی اس عورت کے لگ گئی اور وہ گر پڑی مگر اس نے اپنی بچی کو جسم کے نیچے چھپا لیا تاکہ اس کے گولی نہ لگ جائے۔ آخر دوسری گولی نے اس عورت کا کام تمام کر دیا۔

روسی فوج کی شدید آتش باری کے سبب سے نازیوں کو دیواروں اور بلڈنگوں کی اوٹ لے کر فائرنگ کرنی پڑ رہی تھی اس سے ایک تو ان کے نشانے خطا جا رہے تھے۔ دوسرے اوٹ کی وجہ سے روسیوں کی طرح مسلسل فائرنگ نہ ہو سکتی تھی۔ پھر بھی ان کی وہ فوجیں جو دوسری طرف سے سڑکوں پر لگتی تھیں روسیوں سے شدید تر جوابی حملہ کرتی رہیں۔ اس حملے میں ٹینک اور توپیں بھی شامل تھیں۔ نازی، جو عمارتوں کے اندر یا عقب سے فائرنگ کر رہے تھے، اب بڑی ترکیب سے لڑنے لگی تھیں۔ فائرنگ کرنے کرتے وہ دفعتاً رک جاتے۔ جیسے روس والوں کی گولیوں سے سب کے سب مر گئے ہوں۔ مگر اب روسی جب آگے بڑھتے تو وہ اچانک شدید گولا باری شروع کر دیتے اس سے بہت سی روسی سپاہ کا صفایا ہو جاتا۔ بہر حال نازی ایک

ایک اونچے پرخت مزاحمت کرتے رہے۔ اس سے روسیوں کی پیش قدمی بہت سُست پڑ گئی۔

لڑتے لڑتے روسی سپاہ برلن کے ایک ایسے مقام تک جا پہنچی جہاں وہ براہ راست گولیوں کا نشانہ بن رہی تھی کیونکہ نازی ملبوں اور گڑھوں کے اندر سے فائرنگ کر رہے تھے۔ ایسے حالات سے نمٹنا بڑا مشکل ہو گیا تھا۔ آخر روسیوں کو آتش بار مشینوں سے کام لینا پڑا جن کے شعلے دور دور تک پہنچتے تھے۔ اس آتش باری سے نازی ٹھہس گئے اور جو زندہ بچے انھیں منتشر ہونا پڑا۔

بشکریہ روسی ٹینکوں کو تباہ کرنے کے لیے ایک بہت ہلکی سی توپ ایجاد کی تھی جس کو با آسانی کندھے پر رکھ کر لے جایا جاسکتا لیکن یہ ہلکی ٹینک شکن توپ کا تاحاتبات نہ ہو سکی اور روسی ٹینک بدستور بڑھتے رہے۔ دفعتاً روسیوں نے دیکھا کہ چار سو لڑکے اسکول کے لباس میں چلے آ رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کی عمر چودہ سال سے زیادہ نہ تھی مگر وہ سب ٹینک شکن توپیں اٹھائے روسی فائرنگ ٹانن کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ روسی سپاہی انھیں دیکھ کر بہت پریشان ہوئے اور آخر بھی ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے کہ کیا ان معصوم بچوں کو مار ڈالا جائے؟ آخر طے یہ پایا کہ ان پر فائرنگ نہ کی جائے بلکہ کسی طرح ان سے ٹینک شکن توپیں چھین لی جائیں۔ مگر مشکل یہ آپڑی کہ لڑکوں نے روسیوں کے قریب پہنچ کر اپنے کاندھوں پر رکھی ہوئی ٹینک شکن

تو میں چلانی شروع کر دیں جن سے روسیوں کا نقصان ہونے لگا۔  
آخر کار ان پر فائر ہو گیا۔ اگلی صبح کے ساتھیوں کو گرتا دیکھ  
کر باقی لڑکے بھاگ نکلے اور سب کے سب مرنے سے بچ گئے۔ سوال  
یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لڑکوں کو مرنے کے لیے کس نے بھیجا تھا؟ یہ ان  
کی ماؤں کی کاروائی تو نہ ہو سکتی تھی، بظاہر تو کسی دیوانے کی حرکت  
ہو سکتی ہے۔

آخر روسی فوجیں اس مقام تک آ گئیں جہاں سے امپیریل چانسلر  
کا فاصلہ چار سو میٹر سے زیادہ نہ ہو گا۔ یہی چانسلری ہٹلر کی پناہ گاہ تھی  
جس کی حفاظت کے لیے ایس ایس ڈوٹرن نامور تھا۔ یہ ڈوٹرن ہٹلر کا  
جان نثار تھا۔ روسیوں نے سوچا کہ چانسلری کے قریب دھواں گھر  
کسی ایک عمارت پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا تو انھیں قدم جانے کو جگہ مل  
جائے گی اور وہ بٹے اور شکستہ دیواروں کی آڑ لیتے ہوئے چانسلری  
تک جا پہنچیں گے لیکن روسی ہائی کمان کا حکم آیا کہ چانسلری کی طرف  
بھٹنے میں ٹھیک نہ کی جائے اور ایک بارگی زیادہ آدمی اس کی جانب پیش  
قدمی نہ کریں بلکہ تھوڑے تھوڑے جانیں کیونکہ کسی کو اندازہ نہ تھا کہ چانسلری  
کے محافظ ڈوٹرن کی اصل تعداد کتنی تھی اور وہ مدافعت کا کیا طریقہ اختیار  
کرنے والے ہیں؟ اس کے علاوہ راہ میں ایک نہر بھی حائل تھی جس کا پل  
کچھ عجیب و غریب سا واقع ہوا تھا۔ آنکھیں بند کر کے اس پل تک پہنچنے  
کی کوشش کرنا گویا موت کو دعوت دینا تھا کیونکہ اتحادیوں نے جب

سے برلن کی طرف پیش قدمی کی تھی اس وقت سے ہٹلر نے اس شہر کی  
حفاظت کی خاطر ایک ہفت خواں بنا ڈالا تھا۔ جگہ جگہ دام تزویر، قدم  
قدم پر پوشیدہ خندقیں اور تہ خانے جن کے اندر چھپ کر نازی بڑھنے  
والے دشمنوں کا صفایا کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ انھیں بھاری  
ٹینکوں سے بھی روند دیا جاتا۔ غرض برلن کو لینا آسان کام نہ تھا۔ اور  
چانسلری تک پہنچنا تو موت کے منہ میں جانا تھا۔



**US Air Force over Berlin,  
19 May 1944**

## سپراندازی اور برلن کا سقوط

سنی کی پہلی تاریخ کو روسی ریڈ گارڈز کو حکم دیا گیا کہ امپریل چانسلر پر شدید گولہ باری کی جائے۔ ویسے برلن کے ہر گلی کوچے میں جنگ ہو رہی تھی اور نازیوں نے تقریباً تمام عمارتوں کو مورچہ بنا رکھا تھا۔ شہر کے سوا اور مضافاتی بلندیوں کو لے کر نو برلن تک میں ہر طرف عمارتوں کے بلبے اور فوجیوں کی لاشیں پھیلی ہوئی تھیں۔ بے شمار زخمی علیحدہ ٹرپ رہے تھے مگر لڑائی کا اب پورا زور ہٹلر کی امپریل چانسلری کی طرف تھا۔ آٹھویں ریڈ گارڈز آرمی نے حکم ملتے ہی ایک دم چانسلری پر قبضہ کی گولہ باری شروع کر دی جس سے آس پاس کی سرکاری عمارتیں اور نو چانسلری ہل اٹھی۔ مگر چانسلری اور اس کے فوج سے بھی روسیوں پر جوابی آگ برساتی جانے لگی۔ اب ٹینکوں کی جنگ نہ رہی تھی کیونکہ یہ شہر کا معاملہ تھا۔ اب تو چھوٹی بڑی توپیں گرتی رہی تھیں اور رائل اسٹیل کیسے جا رہے تھے جو انسانی خون کی ندیاں بہا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد جنرل بک فوگ نے نوٹسجری سٹائی کی چانسلری

کے قریب ایک اہم مقام پر قبضہ کر لیا گیا اور اب بلاک نمبر ایک سو باون کے پاس لڑائی ہو رہی ہے۔ یہ بلاک گٹسپو کا مرکز تھا۔ یہاں روسی اور نازی جان توڑ کر لڑے۔ کبھی روسی آگے بڑھ جاتے کبھی نازی انھیں پیچھے دھکیل دیتے۔ چونکہ نازی تقریباً محصور ہو گئے تھے اس لیے ان کا ایمونیشن (گولہ بارود) کم ہوتا جا رہا تھا اور وہ کفایت کے ساتھ اسے استعمال کر رہے تھے۔ اس کے برخلاف روسیوں کے پاس گولہ بارود کی فراوانی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نورنبرگ کے بعد بلاک نمبر ایک سو باون پر بھی روسیوں کا قبضہ ہو گیا اور گٹسپو (جرمنی کا خطرناک مرکز) کا یہ اڈا ختم ہو گیا جس کے بعد نازیوں کی زہر افشانی بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ کیونکہ ہمیں سے ذرا سے شبہ پر حکم صادر ہوتا کہ فلاں فرد یا جماعت کو گولی سے اڑا دیا جائے یا فلاں کو زہر دے دیا جائے، ہمیں پر ہمارا ک اعظم اور موٹھے کے مجھے استادہ تھے جو دیکھ رہے تھے کہ روسی جرمنی کی تاریخ میں تیسری مرتبہ برلن میں داخل ہو رہے ہیں۔ غرض اب جلد جلد خبریں آرہی تھیں کہ ریڈ گارڈز نے چڑیا گھر پر قبضہ کر لیا، ریس کلب کی دیواروں تک جا پہنچے۔ تمام دن بندوبست اور توپیں چلتی رہیں جن کے دھماکوں سے کان کے پردے پھٹے جا رہے تھے، آخر رات آگئی اور لڑائی کا زور بھی گھٹ گیا۔ رات کو نازی افسر دفاع کی تیاری میں سرگرم رہے، دوسری طرف روسی بھی اپنی مزید پیش قدمی کے پلان بنا کے میں

جس ہی نازی ریڈیو نے اعلان کر دیا کہ وہ چھپن میں پنزر ڈوئرن کے چھپتے آف شاف کی منشا کے مطابق مزید مزاحمت روک دیں گے اور تھیں ڈال دیں گے۔ ساتھ ہی انھوں نے روسیوں کو آگاہ کیا کہ یہ کارروائی رات کے وقت ہونی چاہیے کیونکہ گئیوبل کا حکم ہے کہ اگر جرمنی کا کوئی آدمی روسیوں کی طرف جاتا نظر آئے گا تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔ اس کے بعد سلسلہ منقطع ہو گیا۔

پانچ بجے روسی کمانڈر کو اطلاع ملی کہ گئیوبل کا ایک وفد آیا ہے۔ اس میں تین آدمی تھے اور تینوں سولین لباس میں تھے۔ ان کے ہاتھوں میں سفید جھنڈا تھا۔ ایک باوردی اور مسلح سپاہی بھی ان کے ہمراہ تھا جسے کمرے میں داخل نہیں ہونے دیا گیا۔ میزس ڈوف زائبول کا افسر اعلیٰ نے روسی کمانڈر کو ایک خط دیا جس میں تحریر تھا کہ جنرل کریبا ہو آپ سے پہلے مل چکے ہیں اب نہیں آ سکتے اور ڈاکٹر گئیوبل نے خودکشی کر لی ہے لہذا میں آپ کو اختیار دیتا ہوں کہ آپ برلن کو اپنی پناہ میں لے لیں۔ نیچے ڈاکٹر فرس کے دستخط تھے جو پروفیسر گینگل انڈسٹری کا ہیڈ تھا۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر گئیوبل ایک روز قبل خودکشی کر چکا ہے وہ نازی پارٹی کی ناک کا بال تھا۔ اس نے بھی ہٹلر کی طرح وصیت کی تھی کہ اس کی لاش کو پٹرول کے ذریعہ جلا دیا جائے۔ دونوں نے دنیا ہی کو اپنے لیے دوزخ بنایا تھا۔

بعد کو معلوم ہوا کہ نازیوں کے مسجد دار اور قابل جنرل کریبے

مصروف تھے۔ دونوں طرف سخت بے المینافی اور اضطراب کا عالم تھا اور شہریوں کی توبہ حالت تھی کہ جیسے کہ ٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ بوڑھے غور ویر داخت نہ ہونے سے اور دوا دار و نہ ہونے کے سبب بن آئی موت مر گئے۔ جنگ کی ہولناکیاں تو ان میں کوئی ان کا پرسان حال نہ تھا۔ بچے رات دن کی تباہ کاریوں سے گھروں میں سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ بچے تو آخر بچے ہی ہوتے ہیں کسی رات کو ہر دم کی دھواں دھولوں ذرا کہ ہو جاتی تو گھروں سے نکل بھاگتے اور کھیلنے کے لیے تفریحی میدانوں کی طرف لپک پڑتے، والدین کو جو خبر ہوتی کہ بچے باہر نکل گئے تو کچھ تھلے ان کے پیچھے دوڑتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک طرف تو والدین گولیوں کا نشانہ بنتے، دوسری طرف معصوم بچوں کے شہ جہ گولیوں سے چھلنی ہو جاتے۔ یہ جنگ کی انتہائی شقاوت و بربریت ہو گی چٹانوں کے نام بھی یہی ہوتا تھا اور آج کا مذتب انسان بھی یہی کر رہا ہے۔ آخر دوسری مئی کو جرمن بیڈیو نے روسی افسروں کے نام ایک پیغام نشر کیا کہ لڑائی بند کر دی جائے۔ بعض ڈوے دار نازی افسر روسی کمان سے کچھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ روسیوں نے لڑائی بند کر دی، کمان چلے کر فائرنگ روک دی گئی تھی اور نازیوں کو مطلع کر دیا گیا کہ فلاں مقام پر وہ اپنے نمائندے بھیج سکتے ہیں لیکن انہیں یہ بتا دیا گیا کہ غیر مشروط ہتھیار ڈالنے کے علاوہ اور کسی موضوع پر بات چیت نہیں ہوگی۔ یہ ملاقات تو شاید بعد میں ہوئی ہوگی اس کے



روپے کی جائیدادیں، ساز و سامان اور صنعت گاہیں تباہ ہوئی ہیں۔ سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہوگی کہ ہزاروں انسانوں کا مزید حقوق بے گناہ ہیں۔ طرح طرح جرمی ہی نہیں بلکہ سارا یورپ بارود کا ذخیرہ بنا رہے گا۔ بھوک کی بھی وقت بھوک سے اڑ سکتا ہے۔ نازی جرمنی کی تیسہ تہا روسیوں کا لازماً نہ تھا۔ بلکہ اس کے دوسرے اتحادی یعنی امریکہ اور برطانیہ کی فوجی کارروائیوں کو بھی اس میں بڑا دخل تھا۔ بہر حال اس وقت تو روسی اپنے مقصورہ علاقہ کے نظم و نسق کے ذمہ دار تھے اور انھیں بڑی اکتیوٹی کے ساتھ اس ذمہ داری سے عمدہ براہ ہونا تھا۔ راتوں کو اب بھی کبھی بھی گولیاں سننا شروع نہیں اور دل دہلا دینے والی چیخ و پکار اور آوازوں کا جھگڑا آوازیں آتی رہتیں۔ حالانکہ اعلان اور وعدے کے مطابق نازی فوج اپنے تقریباً تمام محاذوں پر ہتھیار ڈال دیے تھے۔ لیکن تاریخ میں بتاتی ہے کہ کسی ملک کو فتح کر لینے کے بعد وہاں کے عوام کو بھی فتح کرنا حقیقتاً بڑا ہی دشوار کام ہوتا ہے۔



**Devastation in Berlin**  
**Soviet troops at the Brandenburg Gate**

بھی خودکشی کر لی۔ بہر حال ۲ مئی کو چھپن ویس ڈویژن نے ہتھیار ڈال دیے اور مع ساز و سامان کے خود کو روسیوں کے حوالہ کر دیا۔ ادھر روسی ہائی کمان نے اسکا کام جاری کر دیے کہ برلن چونکہ فتح کر لیا گیا ہے لہذا اب جنگ و جدال بند کر دی جائے۔

روسیوں کو اب بھی یقین نہ آتا تھا کہ ہٹلر اور گینڈل نے خودکشی کر لی ہے لیکن جب انھیں جنرل کرب جیسے متدین آدمی نے یقین دلایا کہ ہٹلر نے تیس اپریل کو چانسری میں خودکشی کی اور یکم اور دوم مئی کے درمیان ڈاکٹر گینڈل نے اپنے کو ہلاک کیا تھا تب انھیں کچھ یقین ہوا۔ البتہ یورپ اور اس کے باہر اس کے بعد بھی لوگ خیاس آ رہا تھا کہ ہٹلر زندہ ہے اور علیحدہ کر دینا کے کسی گوشہ میں روپوش ہو گیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کس کس لاش کا خاکستر تھا جو تیس اپریل کو جلے ہوئے قالین میں چانسری کے اندر ملا تھا بلکہ کہنے والے تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ہٹلر کا ٹوٹ جوجلنے سے بچ گیا تھا وہ بھی فاتحین کے ہاتھ لگا تھا۔

اب روسی ہائی کمان کے سامنے یہ سوال تھا کہ آیا تمام نازی فوج اپنے اپنے محاذوں پر ہتھیار ڈالنے کو تیار ہیں یا ان میں کچھ ایسے عناصر موجود ہیں جن کا ارادہ بدستور مزاحمت اور مقابلے جاری رکھنے کا ہے اگر ایسے عناصر بنیتے رہے تو وہ اتحادیوں کے لیے مستقل عذاب بنے رہیں گے اور خون خرابہ کا سلسلہ بند نہ ہوگا۔ اس کے برعکس اربوں

غیر

## برلن کی فتح کے بعد

دوسرے روز نازی جنرل ویلڈنگ روسی کمانڈر سے ملنے آیا۔ یہی وہ جنرل تھا جس کے سپر برلن کی حفاظت کا کام تھا اور یہ حقیقت ہے کہ اس کے ڈویژن نے بڑی کامیابی سے کئی مقامات پر روسیوں کو روکا تھا اور انہیں پسپا بھی کیا تھا۔ لیکن ہٹلر اور گوبل کی خودکشی کے بعد بڑے افسروں کے دل ٹوٹ گئے تھے۔ ہٹلر کی موت کی خبر گرجے ابھی عام نہیں ہوئی تھی پھر بھی نازی پارٹی کے سربراہوں کو اس کا علم ہو گیا تھا۔ شاید اسی سبب سے اور کچھ فوجی مجبوریوں کی بنا پر بھی جنرل ویلڈنگ نے ہتھیار ڈال دیے تھے مگر اس وقت جنرل ویلڈنگ کا دوسرا افسروں کے پاس ہنا ضرور تھا اس نے روسی افسروں کو اطلاع دی کہ برلن کی تمام حفاظت افواج پر چوڑا کر کے اس کا حکم نہیں چلتا اس لیے ممکن ہے کہ روسیوں کو کسی مقام پر مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے اور یہ مزاحمت ایس ایس یونٹ ہی کر سکتی ہے جو کٹر نازیوں پر مشتمل ہے۔

چند منٹ بعد ڈاکٹر فرش کا ایک وفد بھی گیا۔ اس نے جنرل ویلڈنگ سے کچھ بات چیت کی۔ اتنے میں مارشل زکوف کا ٹیلی فون

آیا۔ اس نے روسی کمانڈر کو کچھ ہدایات دیں۔ پھر روسی افسروں نے نازی وفد کو ایک اعلان پڑھ کر سنایا جس کی بعض شرائط بہت اہم تھیں (۱) روسی کمان برلن کی حفاظت افواج کی سپر اندازی کو تسلیم کرتی ہے اور جنگ بندی کا حکم صادر کرتی ہے۔

(۲) تمام جرمن افسروں، فوجیوں، سپاہیوں اور عوام کو تینہ کر دی جائے کہ وہ برلن کی عمارتوں، سرکاری دفاتروں، کارخانوں، مشینوں اور تمام قیمتی مال و اسباب کو صحیح و سالم رہنے دیں، اگر کسی نے ان کو تباہ کرنے کی کوشش کی تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا۔

(۳) ڈاکٹر فرشی برلن ریڈیو پر جا کر اسی وقت اعلان کریں گے تاکہ پبلک صورتحال سے باخبر ہو جائے۔

(۴) تمام نازی افسروں، سپاہیوں اور شہریوں کی جان و مال کی گارنٹی دی جاتی ہے اور وعدہ کیا جاتا ہے کہ زخمیوں کی بھی خبر گیری کی جائے گی۔

(۵) روسی فوج کا مطالبہ ہے کہ برلن کے افسروں، فوجیوں، یا شہریوں کی جانب سے کسی قسم کی اشتعال انگیزی نہ ہو ورنہ اس کا سخت بدلہ لیا جائے گا۔ یہ شرائط سخت نہ تھیں لہذا جرمنی کے وفد نے انہیں تسلیم کر لیا۔

اس سے فارغ ہو کر جرمن وفد کو روسی افسروں نے ہدایت کی کہ ڈاکٹر فرشی سے اسی وقت ایک حکم نامہ جاری کرنے کو کہیں جس میں

یہ ہدایت ہو کہ جرمنی کی تمام افواج جہاں کہیں بھی ہوں غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیں، ریڈیو پر تمام شرائط کا اعلان کر دیا جائے اور یہ بھی جتنا دیا جائے کہ ان شرائط میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں اور ساری شرائط نازیوں کو تسلیم کرنی پڑیں گی، روسی بھی ان پر عمل کریں گے۔ روسی افسروں کو جہز ل کر یہ کی خودکشی کا افسوس ہوا۔

بہر حال اب نازی ازم کا زبردست اڈا تباہ ہو چکا تھا ہٹلر کو گولن گورنگ، بارمن جیسے سرفراز ختم ہو گئے تھے۔ مگر شاید ابھی تک نازی ازم کا مصفا یا نہ ہوا تھا۔ بلکہ اس کی جگہ ایک اور جذبہ، جو اپنی شدت میں کسی دوسرے جذبہ سے کم نہ تھا، پیدا ہو گیا تھا۔ یہ جذبہ تھا وطن پرستی کا۔ جس نے وطن پرستوں میں ایک عام خیال قائم کر دیا کہ ہٹلر جرمنی کا ہیرو تھا اور وہ ایک ہیرو کی موت مرا۔ اس کے علاوہ نوجوان جرمن جب اتحادیوں کے ہاتھوں برلن کی تباہی کا تصور کرتے تو ان کا خون کھولنے لگتا اور رگوں میں ایک جذبہ انتقام جوش مارنے لگتا۔ مگر اب انتقام کا وقت گزر چکا تھا۔

اب تو جو کچھ رہ گیا تھا اسی کو سنبھال کر رکھنا تھا تاکہ ترقی کی راہیں کھل رہ سکیں۔

ہٹلر نے اپنی زندگی ہی میں حکم دے رکھا تھا کہ جہاں کچھ بھی ہو جائے برلن کو کسی قیمت پر بھی ساتھ سے جلنے نہ دیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ جب اتحادیوں نے برلن پر یلغار کی تو ایک طرف تو نازیوں نے

امریکہ اور برطانیہ کا ایسا شدید مقابلہ کیا کہ کشتوں کے فٹے لگا دیے خود نازیوں کے بے شمار آدمی مارے گئے مگر انھوں نے مورچے نہیں چھوڑے یہاں تک کہ ٹینک انھیں کھینٹتے ہوئے نکل گئے تھے، دوسری طرف انھوں نے روسی حملہ آوروں کے پھلتے پھڑا دیے تھے۔ کئی بار تو نازیوں کے جوانی حملوں سے روسیوں کے پیر اکھڑ گئے تھے۔ روسیوں پر اگر شالین گراڈ اور دوسرے محاذوں پر جرمنی کے ہاتھوں شکست کھانے کا انتقامی جذبہ جاری نہ ہوتا تو شاید وہ برلن کو فتح ذکر سکتے۔ اور اگر کرتے بھی تو انھیں بہت وقت لگتا۔

پھر جرمن افواج میں نوجوان لڑکوں کی اکثریت تھی جو نوج میں بھرتی ہونے سے پہلے ۱۹۳۹ء سے اپنے ملک کی فتوحات دیکھ رہے تھے۔ اللہ میں برتری کا ایک جذبہ تھا ساتھ ہی جرمنی میں فوجی تربیت کا ایک آسان اور نہایت موثر طریقہ رائج تھا جس کی وجہ سے چند ہی ہفتوں میں یہ نوجوان ہر قسم کے پیچیدہ اسلحہ استعمال کرنے کی تربیت حاصل کر لیتے اور ان کے استعمال میں بڑوں بڑوں کے کان کترنے لگتے۔

اس ضمن میں ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ایک دفعہ کسی مورچہ پر سے اتحادیوں نے ایک دو جرمن سپاہیوں کا انگوٹھا لیا۔ ان سے پوچھ گچھ کی گئی مگر انھوں نے کچھ نہیں بتایا بلکہ اپنے جوش و خروش کا ایسا مظاہرہ کیا کہ جل کر اتحادیوں نے انھیں گولی ماری حالانکہ ان کے ساتھ جنگی قیدیوں کا سا سلوک کرنا مناسب تھا۔ لیکن ایک مرحلہ

تک لڑتے لڑتے اور جرمنی کے ہاتھوں شکست اٹھاتے اٹھاتے اتحادیوں کے تمام کردار اتنے گر گئے تھے کہ ان کا مزاج و خیانہ ہو گیا تھا۔ عورتوں اور بچوں کے تحفظ کا جذبہ تک ان کے دلوں میں تقریباً سرور ہو گیا تھا۔ یہ جنگ کے زمانہ کی صورت حال تھی۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد اکثر اقدار بدل جاتی ہیں اور ان کی محسوس تبدیلیوں کا تماشا دینا آج تک دیکھ رہی ہے۔

ٹالن تو جنرل ویلڈنگ کافی دیر تک روسی فوجی افسروں کے پاس ہوا پھر ان کے ایسا پاس نے شہر لوں اور جرمنی کی افواج کے نام ایک حکم نامہ جاری کیا کہ قبور و ہسپتال ڈاکٹر گیوبل، بارمن وغیرہ نازی پارٹی کے بچوں کے لیڈر مرچکے ہیں، ہمارے پاس ایونیشن کا ذخیرہ بھی تقریباً ختم ہے۔ ان حالات میں جنگ جاری رکھنے سے اب کوئی فائدہ نہیں لندا اسے حکم سمجھا جائے یا اپیل کر جنگ بند کر دی جائے۔ کس قدر جانشہرت تھی کہ یہ وہی مغرور اور خود ستا نازی تھے جو خود کو افضل ترین نسل اور ناقابلِ تغیر قوم سمجھتے تھے اب ایک طرف تو امریکہ اور برطانیہ کے آگے متحارب ڈال رہے تھے دوسری طرف روسیوں کے سامنے!

دستخط کے آگے ویلڈنگ نے خود کو سابق کمانڈر برلن افواج لکھا تھا۔ بدوسی افسر نے اسے کاٹ کر حال کمانڈر برلن افواج کر دیا یہ گویا رواداری کا ایک ثبوت دیا گیا تھا۔ بہر حال اس حکم نامہ کی بارہ نقلیں تیار کی گئیں تاکہ دوسرے نازی افسروں کے پاس روانہ کر دی جائیں

ساتھ ہی لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ پورے شہر اور محاذوں پر یہ حکم پڑھ کر سنا دیا گیا تاکہ شہری اور فوجی دونوں باخبر ہو جائیں اور اس کی تعمیل کریں۔ اس آئٹمیں ڈاکٹر فرشی بھی حسیب میں آہنچا۔ وہ میدانِ قد اور گھٹے ہوئے بدن کا انسان تھا۔ اسے بھی وہ حکم نامہ پڑھ کر سنا گیا۔ اور بتایا گیا کہ روس چاہتا ہے کہ بربلن میں مکمل امن قائم ہو جائے۔ ڈاکٹر فرشی نے تجویز پیش کی کہ امن کی بحالی کے لیے بربلن کی پولیس کافی ہے لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا کہ پولیس کی حیثیت اب جنگی قیدیوں کی سی ہے اس لیے نظم و نسق کی خاطر ہماری (روسی) فوج اور بربلن کے شہریوں کے درمیان تعاون کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر فرشی نے اس سے اتفاق کیا۔ مگر کیا نہ کرتا۔ آخر ڈاکٹر فرشی سے دینا نہ کیا گیا کہ کیا ڈوینر نے نازی پارٹی کی لیڈر شپ سنبھال لی ہے اور اس کے عزائم یہ ہیں کہ تا دمِ آخر صرف بوشو ویکوں سے لڑتا رہے گا۔ بلکہ امریکہ اور برطانیہ سے بھی جنگ آزمانی کر تا رہے گا؟ مگر ڈاکٹر فرشی نے ڈوینر کے بارے میں قطعی لاعلمی کا اظہار کیا۔ غرض بربلن کی حالت غیر یقینی تھی اس کے ساتھ ہی یہ اندیشہ بھی لگا ہوا تھا کہ ممکن ہے شہر، گوٹیل، ہملر اور باؤن روپوش ہو گئے ہوں اور ان کی خودکشی کی افواہ غرض ایک چال ہو۔ مگر سوال یہ تھا کہ اگر وہ زندہ بھی ہوتے تو کیا کر سکتے تھے وہ تو اب بے دست و پا ہو چکے تھے۔ نازی نظام ختم ہو چکا تھا۔ فوج سپہ اندازہ ہو چکی تھی اور بربلن مسخر کر لیا گیا تھا اس صورت میں اگر وہ زندہ بھی ہوتے تو روپوش

ہو کر جلا وطنی کی زندگی گزارنے کے سوا کیا کر سکتے تھے وہ بھی پناہ گزین اور بھیس بدل کر کیونکہ ہٹلر نے سارے زمانے کو اپنا دشمن بنالیا تھا اسے کوئی ملک یا قوم پناہ دینے کی روادار نہ تھی۔ برلن کے شہری بھی اب امن و امان کے خواہاں تھے اور شہر کی فضا اب انہی کے تعاون سے پرسکون نظر آ رہی تھی۔



Berlin Fall

## برلن میں آخری فائرنگ

ہٹلر کی فوج کے وفادار دستے یعنی ایس ایس یونٹ نے بھی اب ہتھیار ڈال دیے تھے کیونکہ اس کے لیے بھی اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا تھا وہ اب ہٹلر کی چانسری اور نازی پارٹی کے باقیات کی حفاظت کرتا رہا تھا مگر اب صورت حال یہ تھی کہ ان قدر شکست و آس ساقی نہ اندر برلن کی چند گھنٹے پہلے کی طوفانی فضا پر اب ایک نیا قابل یقین سکوت طاری تھا۔ البتہ دور ایک و بے ہوئے مورچہ پر سے اب بھی روسیوں پر فائرنگ کی جا رہی تھی۔ یہ گویا برلن کے طویل رقبہ میں آخری فائرنگ تھی۔ آخر یہ طویل اور قیامت خیز جنگ ختم ہو کر رہی اور دنیا کو کتنی ہی خونریز اور انسانی خون کی پیاسی منتر لیں ملے کر کے ایک وقفہ امن مل گیا۔ تاکہ پھر کسی تیسری جنگ کی تیاری کا آغاز کیا جاسکے۔

انسان کا خون کس قدر سستا ہے اس کا اندازہ دوسری جنگ عظیم میں مرنے والوں کی صحیح تعداد سے لگایا جاسکتا تھا لیکن کسے معلوم ہے کہ دنیا کے کس کس حصے میں کتنے لوگ اپنے گھروں کو واپس نہ ہو سکے جنگ

میں پھنسے ہوئے ملکوں نے اپنے اپنے مرنے والوں کی جوتھ اور دہائی ہے وہ ان کے نزدیک درست ہوگی۔ مگر ان میں ان گنت ایسے لوگ شامل نہیں ہیں جو گولوں اور گولیوں کا نشانہ نہیں بنے بلکہ تکان، بھوک، بیماری اور ناقابل برداشت شدائد سے مر گئے۔ ان کی آج تک گنتی نہ ہو سکی، غنا، فقر، اور دوسری تباہ کاریوں کے علاوہ اور بھی بہت سی آفتیں ہیں جو انسانوں کو مار کر رکھ دیتی ہیں۔ مگر جنگ کی ہولناکی سب سے بڑی ہولناکی ہے۔ خدا بنی نوع انسان کو اس سے محفوظ رکھے۔



Berlin Fall

## ہیروشیما

امریکہ دوسری جنگ عظیم میں کوڈ تو پراٹھا مگر آگے چل کر وہ سخت مصیبت میں پھنس گیا۔ اول تو اسے جنگ میں اپنی شمولیت کے تصور ہی سے بعد احساس ہونے لگا کہ یورپ میں مختلف محاذوں پر اس کا مقابلہ جن جرمن افواج سے ہوا وہ نہ صرف بہت تجربہ کار اور منظم تھے بلکہ ان کے (جو منوں کے) پاس جدید ترین اسلحہ بھی تھے۔ یہ ایسے اسلحہ تھے کہ اگر وہ کسی محاذ پر امریکنوں کے ہاتھ لگ جاتے تو وہ انہیں استعمال کرنے سے قاصر رہ جاتے کیونکہ ان کی ٹیکنیک بالکل مختلف تھی جس سے اتحادی ناکشہ تھے۔ اس کے علاوہ ہٹلر نے ایک ہوا اور چھوڑ رکھا تھا جو مخفیہ ہتھیار کے نام سے موسوم تھا۔

بہر حال جنگ میں شامل ہونے کے بعد امریکہ خاصی دشواریوں میں مبتلا ہو گیا۔ ایک طرف تو یورپ میں اسے جرمنوں سے لڑنا پڑا تھا۔ دوسری جانب افریقہ میں بھی جنگ آزمودہ جرمن ہی اس کے مد مقابل تھے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، جرمنوں کے مقابلہ میں اتحادیوں کی افواج ہمارت و تجربہ میں کچھ تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ

نے ہاتھوں نہ معلوم کہاں کہاں انھیں موت کے گھاٹ اتارنا پڑے۔ بہر حال یہ جنگ امریکہ کو اپنی پوری طاقت سے جاری رکھنا تھی۔ کسی طرح اس کا خاتمہ ہو سکے۔

اودھ جاپان نے ہندوستان کے شمال مشرقی علاقوں کو بھی دہنا شروع کر دیا تھا اس سے انگریزوں کو ہونے چاہئے تھے۔ جاپان نے رپس جیسے عظیم جنگی جہاز کو غرق کر کے اتحادیوں کی برائی زبردست جھاک بٹھادی تھی۔ اس زمانہ میں انگریزوں کا راج کشمیر سے لے کر برما اور ملایا و حال ملائیشیا کے آگے تک تھا۔ مگر یہ سارے علاقے جاپان کے روند ڈالے تھے اور ہندوستانی فوجیں ان کی بٹھار کی تاب نہ لا کر یہی طرح پسپا ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ جاپانی مشرقی اکتان تک آ پہنچے کیونکہ سنگاپور، ملایا اور برما انگریزوں کے ہتھوں سے نکل چکے تھے۔

غرض ایشیا میں جاپان نے انگریزوں اور امریکیوں کی ناک میں دم کر دیا تھا اور ایسے آثار پیدا ہونے لگے تھے کہ جاپان کے ابھرتے سورج کی دھوپ پورے ایشیا پر پھیل کر رہے گی یہ ۱۹۴۵ء کے اوقات ہیں جب یورپ میں جرمنی اور اتحادیوں میں جنگ منسوب ہو رہی تھی اور ہٹلر بھی زندہ تھا۔ آخر مارچ، اپریل اور مئی ۱۹۴۵ء کو اوائل تک مغرب کی جانب سے اتحادیوں کی فوجیں اور مشرقی طرف سے روسی افواج جرمنی میں داخل ہو گئیں اور تیزی سے

ابتدا میں اتحادیوں کو خدید جاتی اور حربی نقصانات اٹھانے پڑے۔ بہر حال اب تو امریکہ کو یہ سب کچھ برداشت ہی کرنا تھا۔ لہذا وہ برابر یورپ و افریقہ میں اپنی فوجیں بھونکنے جا رہا تھا۔ لیکن ایشیا میں جنگ کا نقشہ ہی دوسرا تھا۔ یہاں اس کا مقابلہ براہ راست ایک بڑے اور اپنے وقت کے طاقت ور دشمن سے تھا۔ ویسے تو امریکہ کو جاپان کی قوت کا اندازہ پہلے ہی سے واقف ہی سے ہو گیا تھا۔ مگر جنگ عظیم میں پچھنس کر اس کی فکر ایشیا کی اس عظیم طاقت سے ہوئی تو اسے دل میں تارے نظر آنے لگے۔ پچھلے ابواب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جاپانی مادر وطن کی خاطر جان دینا سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے جس کے برعکس امریکی سپاہی جان کی بازی لگا کر لڑنا تو ضرور تھا مگر دل کی گہرائیوں میں اسے یہ احساس بھی تھا کہ سرزمینِ غریب سے بے مقصد جان دینا کوئی اہم کارنامہ نہیں۔ شاید ہر جہت سے لہذا اور جلد آؤ فوج کے دل میں اسی قسم کا احساس ہوتا ہے۔ بہر طور امریکی فوجی اور افسران پسند ہونے کے سبب جنگ کے لیے سر دھڑکی بازی لگا کر کسی خاص جوش کا مظاہرہ نہیں کر رہے تھے۔ اس کے برخلاف جاپانی بغیر لاشیہ سو و زیاں میدانِ جنگ میں جس طرح جان دینے کو جوق و جوق بڑھتے تھے اس کا اثر امریکی فوج کے مورال پر پڑنا ناگزیر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ امریکی اپنے مرنے والوں کی تعداد سے کمین زیادہ جاپانیوں کو مار کر بھی مطمئن نہ ہوتے اور انھیں ہر دم بھی دھڑکا لگا رہتا کہ جاپانیوں

برلن کی طرف بڑھنے لگیں۔ ہٹلر نے گھبر کر اپنے ایشیائی حلیف جاپان کو پیغام بھیجا کہ وہاں امریکیوں کا یہیچانہ چھوڑے اور جاپان نے بحر الکاہل میں امریکہ کے خلاف جنگ کو شدید سے شدید تر کر دیا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر اس سے برلن کی طرف امریکہ کی پیش قدمی پر کوئی اثر نہ پڑا۔ یہاں تک کہ بعد غور و خیر سے برلن فتح ہو گیا اور اسی دوران ایک طرف تو ہٹلر نے خودکشی کرنی، دوسری طرف اس کے مامور ساتھیوں نے۔

ہٹلر اور جرمنی کے خاتمہ کے بعد یورپ میں تو جنگ ختم ہو گئی۔ مگر ایشیا میں ابھی جاپان کی جنگ برابر جاری تھی اور بحر الکاہل میں امریکی مفاد بدستور جاپان کے ہاتھوں تباہ ہو رہے تھے۔ وہاں پھنسے ہوئے امریکی بحریہ کے جنگی بیڑے پر جاپانیوں کی مسلسل مار پڑ رہی تھی اس سے امریکہ اکتانہ تھا اور عاجز آکر سوچتا تھا کہ کس طرح اس سے یہیچا چھڑائے۔ یہ حالات دینا کے دوسرے ملکوں کے بھی علم میں تھے اور وہ اس امر سے بھی ناخبر تھے کہ اگر امریکہ چاہے گا تو اپنی پوری فوجی طاقت کا رخ بحر الکاہل کی طرف موڑ کر جاپان کو شکست دے سکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسری بات کسی کے دہم میں آجی نہ سکتی کسی کو سنا اور گمان تک نہ ہو سکتا کہ امریکہ عام جنگی اسلحہ کو بالائے طاق رکھ کر جنگ ختم کرنے اور ایک برابر کی ٹکر لینے والی قوم کو تباہ کر کے لیے کوئی ایسا انسانیت سوز قدم بھی اٹھا سکتا ہے جس کی نظیر

جپان کی کسی جنگ میں نہ ملے۔

غرض دنیا ایک غوش فہمی میں مبتلا رہی۔ لیکن کسی نے جو کچھ سوچا تھا اس میں سے کچھ بھی نہ ہوا بلکہ امریکہ نے وہ کر دکھایا جو کچھ اس کی طرف دنیا کا دھیان تک نہ جاسکتا۔

ایک دن جاپان کا مشہور شہر ہیروشیما حسب معمول زندگی سے معمور تھا کہ آسمان پر ایک امریکی ہوائی جہاز نمودار ہوا جو کوئی اشتیاج کی بات نہ تھی۔ امریکی ہوائی جہاز بم برسائے آتے ہی جاتے رہتے تھے لیکن آج ہیروشیما والوں نے اس ہوائی جہاز میں ایک عجیب قسم کا بم دیکھا۔ اس سے جو چمک خارج ہوئی وہ چمکیلے سورج سے بھی کہیں زیادہ تیز تھی اور جس کی چمک سے سینکڑوں آدمی اندھے ہو گئے۔ شہریوں کی حیرانی ابھی ٹھننے بھی نہ پائی تھی کہ ایک ہلکا دھماکا ہوا جیسے کئی ہزار توپیں یکبارگی سر کی گئی ہوں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے بے شمار مکانات اور شجر و درختوں کی مانند ہوا میں اڑ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اس بم کا دھواں جس کی شکل ایک درخت جیسی تھی، قنارک ریح کے ساتھ چھٹ کر پھیلا اور ہوا میں اس ہلکا حدت و گرمی پیدا ہو گئی گویا ایک ساٹھ کئی سورج زمین پر اتر آئے ہوں۔ پھر کیا تھا طرف آگ ہی آگ، شعلوں کے متلاطم سمندر، جن میں انسان کی تو حقیقت تھی پتھر کی چائیں اور لوہے کی چادریں اور ستون بھی جل کر باقی ہو گئے۔ یہ ایٹم بم تھا جسے امریکہ نے صحرابا پہاڑوں پر





# ادم بخور شیر

پاکستانی جیم کاربٹ قمر نقوی  
تھے

بیس سالہ شکاری زندگی کا پتھر

جنہوں نے بھوپال کے مضافات میں قیامت برپا کر رکھی  
تھی اور بڑے بڑے شکاریوں نے ان کے آگے گھٹنے  
ٹیک دیئے تھے۔ آخر قمر نقوی نے جان جو کھوں میں ڈال کر

انہیں ہلاک کیا۔ شکار کے موضوع پر

نہایت دل چسپ اور لرزہ خیز کتاب!



نہیں چھوڑا تھا بلکہ انسانوں سے بھرے ہوئے شہر ہیر و شیا پر گرایا  
تھا۔

یہ ایٹم بم آج کے ایٹم بم کے مقابل میں کئی گنا کم زور تھا پھر بھی  
اس نے ہیر و شیا کے اسی ہزار باسیوں کو جلا کر خاکستر کر دیا اور جو  
لوگ بچ رہے وہ طرح طرح کی لاعلاج و مُلک بیماریوں کا شکار ہو  
گئے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بیماریاں ان کی کئی پشتوں تک متقل  
ہونے والی تھیں۔

یہی شہر امریکہ نے جاپان کے دوسرے شہر ناگی سا کا کا بھی کیا جس  
کے بعد جاپان کی دنیا کی کسی طاقت کے بھی میدان میں ٹھہر سکنے کا امکان  
نہ تھا۔ یہ تھا ہٹلر کا خفیہ ہتھیار جسے اس نے یورپ کی گوری نسل پر  
نہیں گرایا۔ شاید وہ خدا سے ڈرتا رہا مگر اس کی موت کے بعد فاسج  
امریکہ نے اسے ایشیا پر گرایا۔ فکر ہے کہ ایٹم کے راز پر کسی ایک  
ملک کی اجارہ داری زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہی ورنہ پوری دنیا  
کسی لمحہ بھی ہیر و شیا بن جانے کے خطرات میں مبتلا رہتی۔

## غذا اور صحت

صحت سنبھالنے کے لیے آپ اپنی غذا کی ضرورت ہے اور اپنی غذا ہے جو کتنا ہی بھی ہو اس میں یہ تمام غذائیں اور معدنی اجزاء مناسب مقدار میں موجود ہوں جن سے جسم کی نشوونما ہوگی ہے۔ مڈو میں یہ سب کچھ ہے جس میں غذا اور غذائیں پر نہایت تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور غذائیں کی سے رہائش دہ امرض کے علاج مختلف غذاؤں سے تجربہ کیے گئے ہیں۔

## ورزش اور صحت

صحت سنبھالنے کے لیے بہت کم ورزش کے علاوہ ورزش بھی ضروری ہے اور ورزش کے لیے آپ کو کسی اکھاڑے میں پہلنے کی ضرورت نہیں۔ آپ گھر پر ہی ورزش کر سکتے ہیں مثلاً پٹائی اور آستان ورزشیں کر کے پٹے جسم کو ہلکی دھندلے اور متناہب بنا سکتے ہیں۔ مریضوں اور بزرگوں کے لیے ہلکے ورزشیں دی گئی ہیں اور ورزش کو ضرورت کے لیے بھی سمجھا گیا ہے۔

## میک اپ اور صحت

میک اپ تو سب ہی کرتی ہیں لیکن سلیف کی کسی کو آتا ہے۔ میک اپ ایک آئینہ ہے۔ اس کی بدولت ایک عام اور پاک سے چہرے کو دلکش اور صحرانگیر بنایا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب میک اپ کی ایک ماہر خاتون کے تجربات کا مجموعہ ہے اس میں انھوں نے آئینہ صحت کے تقریباً تمام پہلوؤں پر طویل کے علاوہ قدرتی صحت و برکت کی کو تمام رکھنے کے گریہ کیا ہے۔

©



Berlin Fall